۲۸ جون سنہ ۱۹۷۰

ہفت روزہ لیل و نہار

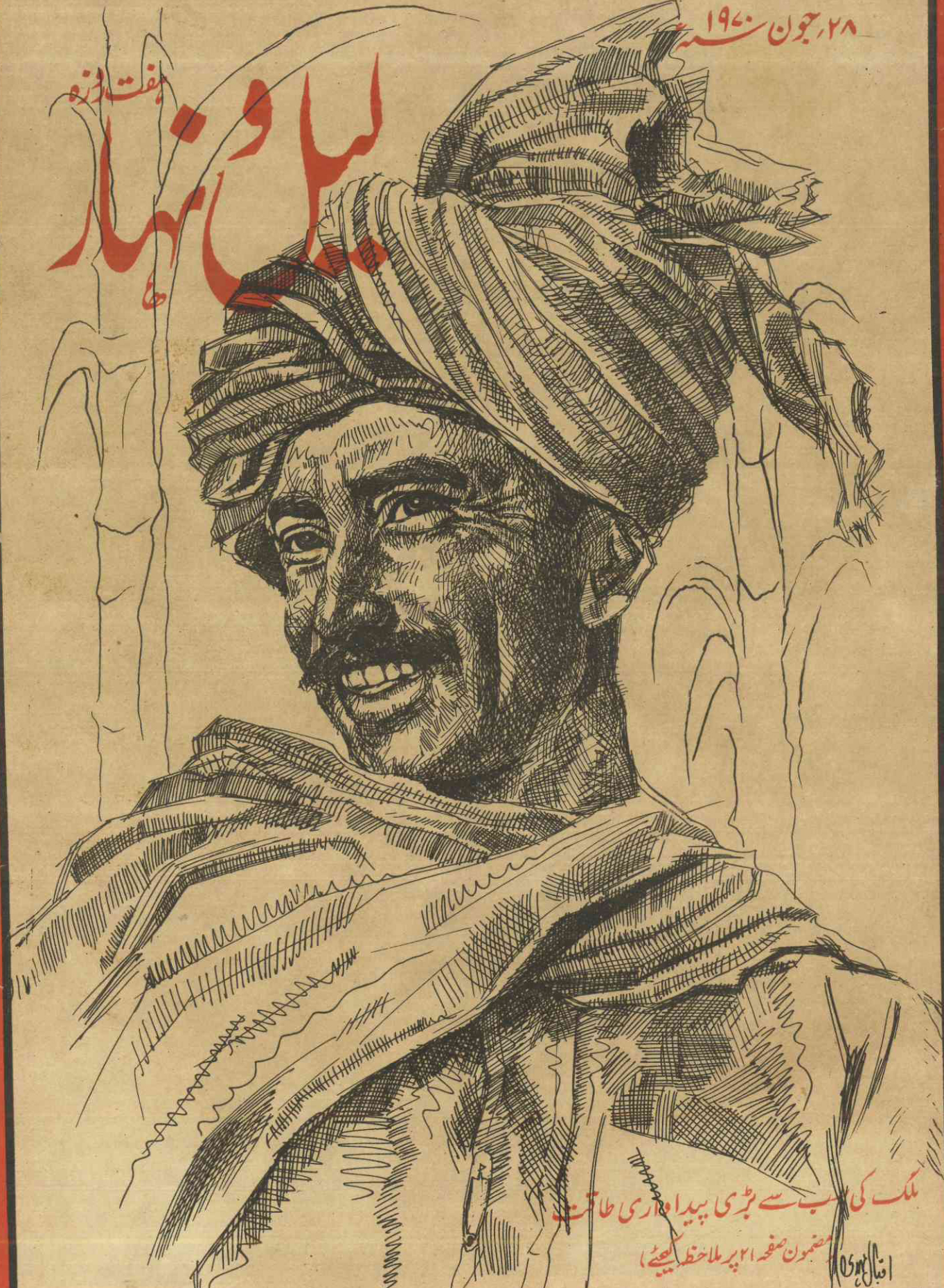

ملک کی سب سے بڑی پیداواری طاقت

(مضمون صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ کیجئے)

اقبال

جس کنبہ کو اس کے جوانوں کی مشقت بھی پیٹ بھر روٹی مہیا نہیں کر سکتی، اسے پالنے کے لئے یہ بوڑھی عورت کھیت میں کام کرتی ہے (مضمون صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ کیجئے)

ہفت روزہ
لیل و نہار
کراچی

جلد ۱ | ۲۸ جون ۱۹۷۰ء | شمارہ ۱۸

ادارۂ تحریر

فیض احمد فیض ـــــ حسن عابدی

معمولی سی چائے کی دعوت ـــــ مختار زمن از لندن ـ ۹
گر تو بُرا نہ مانے ـــــ بُت شکن ـ ۱۰
تکلف برطرف ـــــ ابراہیم جلیس ـ ۱۱
کیا اسلام میں کلیسائی نظام ہے ـــــ ڈاکٹر نذیر احمد ـ ۱۳
عوامی لیگ دوسری پارٹیوں سے متحدہ محاذ نہیں بنائے گی ـــــ نمائندہ خصوصی ـ ۱۷
منظومات و غزلیات ـــــ فارغ بخاری، امجد اسلام امجد، حسن بھوپالی، نکہت بریلوی ـ ۱۹
سکرنڈ۔ ہاری کانفرنس (اشاعتِ خاص) ـــــ احمد الطاف ـ ۲۱-۲۸
زنداں کی ایک صبح (افسانہ) ـــــ نعیم آروی ـ ۲۹
مشتاق احمد یوسفی کی تصنیف۔ خاکم بدہن ـــــ ابن انشا ـ ۳۱
بلوچ قومیت کی تحریک ـــــ نمائندہ خصوصی ـ ۳۳
امریکہ کے سونے کے ذخائر ـــــ حسین اعظمی ـ ۳۵
مکتوب لاہور ـــــ نمائندہ خصوصی ـ ۳۷
یہ لوگ گھنٹے کی مشین پر ۱۶ گھنٹے کام کرتے ہیں ـــــ نمائندہ خصوصی ـ ۳۸
سوشلزم کا سورج سوات سے طلوع ہوگا (مکتوب سوات) ـــــ حُرّ ـ ۳۹
بندۂ مزدور کے اوقات ـــــ نمائندہ خصوصی ـ ۴۱

○

قیمت

مغربی پاکستان میں ـــــ ۵۰ پیسے
مشرقی پاکستان میں ـــــ ۶۵ پیسے
برطانیہ میں ـــــ ۲ شلنگ ۶ پنس

پوسٹ بکس نمبر ۳۱۷۸ کراچی ۲۹

"گھیراؤ ـ جلاؤ"

"گھیراؤ" اور "جلاؤ" کے نعروں نے ان دنوں بہت شہرت پائی ہے۔ جب کسی کارخانہ میں مزدور ہڑتال کرتے ہیں اور کارخانہ کی انتظامیہ جوابی کارروائی کرتی ہے، اور نوبت تصادم تک پہنچتی ہے اور انجام کار مزدور خاک و خون میں تڑپتے ہیں تو عوام دشمن جماعتوں کے عہدیدار، اپنی تقریروں اور بیانوں میں اور ان کے ماتحت اخبار، اپنی خبروں اور تبصروں میں ان تمام حشر سامانیوں اور ستم رانیوں کو ایک لفظ "گھیراؤ" میں سمو کر اپنی دیانتِ فکر اور راستی اظہار کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ اس وقت کہا یہ جاتا ہے کہ مزدوروں نے "گھیراؤ" کر دیا اور بس "جلاؤ" کرنے والے تھے کہ پولیس نے "گولی چلاؤ" کر دیا۔

غرض کہ ہڑتال سے پہلے کے مصائب ہوں تو ان کا مستحق مزدور، ہڑتال کرے تو ذمہ داری مزدور پر۔ اس دوران میں انتقامی کارروائی کی جائے تو مزدور کی جان پر صدمہ بھی برحق۔ اور اگر اس طرح کی کوششوں میں مزدور مزاحمت کرے تو گھیراؤ کرنے، لوٹ مار کرنے، کارخانہ کی املاک کو نقصان پہنچانے اور امن عامہ کے لئے خطرہ بن جانے کی ذمہ داری بھی مزدوروں پر ہی عائد ہوتی ہے،

"جلاؤ اور گھیراؤ" کے نعروں میں، بڑے بڑے سرمایہ داروں، غیر ملکی کمپنیوں کے سربراہوں اور کارخانہ داروں کے لئے جو کشش موجود ہے، وہ کچھ بے سبب نہیں۔ ادھر ہڑتال ہوتی ہے، اُدھر نالہ و شیون کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اس میں گھیراؤ کی بازگشت دیر تک گونجتی رہتی ہے، مقصد یہ اعلان ہوتا ہے کہ مزدوروں نے گھیر رکھا ہے اور اب سرکاری انتظامیہ کا فرض ہے کہ سرمایہ داروں کا بچاؤ کرے اور ہڑتالیوں کو ان کی سرکشی کی سزا دے۔ یہ مطالبہ بالعموم پورا کر دیا جاتا ہے، البتہ ہمارے سامنے ایک مثال کراچی کے ایک کارخانہ کی ہے، جس میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کارخانہ دار کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعد میں مجسٹریٹ کے فیصلہ کی توثیق مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ نے بھی کر دی۔

اس مقدمہ کی مختصر روداد یہ ہے کہ پیرا ماؤنٹ انڈسٹریز لمیٹڈ کی انتظامیہ اور مزدوروں کے درمیان بعض تنازعے پیدا ہو گئے، مزدوروں کی تسلیم شدہ یونین نے صنعتی تعلقات کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۹ء کے تحت مصالحت اور ثالثی کے طریقے اختیار کئے، لیکن جب کوئی طریقہ کارگر نہ ہو سکا تو اسی آرڈیننس کی دفعہ ۳۲، ذیلی دفعہ ۲ کے تحت مزدوروں کی یونین نے ہڑتال کر دی۔ اس کے جواب میں کمپنی کی انتظامیہ نے کام چلانے کے لئے کچھ باہر کے آدمی بھرتی کر لئے۔ انتظامیہ کا یہ طرزِ عمل صنعتی تعلقات کے آرڈیننس کی روح کے منافی تھا، چنانچہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ باہر کے لوگوں کو کام سے الگ کر دیا جائے۔ کمپنی نے یہ حکم ماننے سے

انکار کر دیا اور چارہ جوئی کے لئے عدالتِ عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

(تفصیلات صفحہ ۴۱ پر ملاحظہ کیجئے)

عدالت میں کمپنی کے وکیل کا موقف یہ تھا کہ صنعتی تعلّقات کے آرڈیننس میں، ایسی کوئی دفعہ موجود نہیں، جس کے تحت مجسٹریٹ مذکورہ حکم جاری کرنے کے مجاز ہوں۔ انہوں نے کہا "آرڈیننس کی روح تو یہ ہے کہ معاشرہ (کمیونٹی) کے مفاد کو فروغ دیا جائے، چنانچہ درخواست گذاروں نے اگر باہر کے بعض مزدوروں کو رکھ لیا تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ بات تو طے ہے کہ مزدوروں کی یونین کے ارکان ایک سو سے زیادہ دنوں سے ہڑتال پر ہیں۔

کمپنی کے وکیل نے مذکورہ آرڈیننس کی دفعہ (۲) کا بھی حوالہ دیا، جس میں لکھا ہے کہ "اگر کوئی ہڑتال یا لاک آؤٹ تیس دن سے زیادہ جاری رہتا ہے تو صوبائی حکومت اس ہڑتال یا لاک آؤٹ کو اپنے تحریری حکم کے تحت ممنوع قرار دے سکتی ہے،" کمپنی کے وکیل نے یہاں بعض انگریزی الفاظ کے محلِ استعمال سے بحث کی اور ثابت کرنا چاہا کہ ہڑتال یا لاک آؤٹ، کو ممنوع قرار دینا، صوبائی حکومت کے محض صوابدید پر نہیں، بلکہ ایسا کرنا، اس کی قانونی ذمّہ داری ہے،

فاضل جج صاحبان نے یہ موقف تسلیم کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مزدوروں کی تسلیم شدہ یونین کو سودے بازی کی جو اہلیت حاصل ہے، آرڈیننس کا منشا اس کا اقرار کرنا ہے اور آرڈیننس کے مندرجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی ہر کوشش کو ناکام بنا دینا چاہیئے، جس کا مقصد مزدوروں کی مسلّمہ یونین کی سودے بازی کی طاقت کو نقصان پہنچانا ہو، کیوں کہ اس طرح تو قانون سازی کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

جج صاحبان نے یہ بھی کہا کہ آرڈیننس کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ صوبائی حکومت تیس دن گذرنے کے بعد، ہڑتال کو ختم کر دینے کی پابند ہے، اس کے برعکس قانون کا منشا، مزدوروں کی سودے بازی کی طاقت کو مزید تقویت پہنچانا ہے، کمپنی نے باہر کے مزدور بھرتی کر کے آرڈیننس کے منشا کے منافی کارروائی کی ہے اور اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ باہر کے بھرتی کئے ہوئے مزدور اگر کام سے لگے رہے تو ان مزدوروں اور تسلیم شدہ یونین کے ارکان کے درمیان قانون اور امنِ عامّہ کا مسئلہ یقیناً پیدا ہو گا۔ فاضل ججوں نے کمپنی کی طرف سے آئین کی دفعہ ۹۰ کا حوالہ بھی تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ اسے تسلیم کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ کمپنی نے آرڈیننس کی جو خلاف ورزی کی ہے، آئین کے تحت اس لاقانونیت کو جاری رکھنے کی اجازت دے دی جائے۔

عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ ایک اہم معاملہ پر ایک ایسی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہونی چاہیئے۔ ان دنوں ملک میں جو صنعتی بے چینی موجود ہے اس کا سبب محض یہی نہیں کہ گرانی بڑھتی جاتی ہے اور سکّہ کی قیمت گھٹتی جاتی ہے اور مزدوروں کی تنخواہیں، گرانی کے اس سیلاب میں تنکے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بے چینی کے اسباب اور بھی ہیں اور ان میں سب سے نمایاں سبب یہ ہے کہ کارخانہ دار اور صنعت کار مزدور کے ساتھ انصاف پر مائل نہیں، اُن کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ مزدوروں کی نمائندہ یونین اپنے مطالبات لے کر آگے آئے تو اسے ماننے سے انکار کر دیا جائے اور ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ مزدور ہڑتال پر مجبور ہوں پھر لاک آؤٹ کیا جائے اور باہر سے غنڈے اور کرائے کے آدمی بھرتی کئے جائیں۔ ساتھ ہی اپنے تنخواہ دار "ملاؤں" اور زرخرید سیاسی لیڈروں کے ذریعہ ایک طوفان برپا کیا جائے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ اور وطن دشمن، کافر اور سبھی غارت گر ایمان، پاکستان کو اور نظریۂ پاکستان کو اور جو کچھ ہے اور جو کچھ نہیں ہے، ان سب کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں اس چیخ پکار کے علاوہ سرکاری انتظامیہ کی دہائی دی جائے کہ لوگو دوڑو، "گھیراؤ" ہو گیا اور چونکہ امن و امان کی بحالی اور کارخانہ دار کی املاک کے بقا و تحفظ کی ذمّہ داری سرکاری انتظامیہ پر عائد ہوتی ہے، لہٰذا انجام اس کا ظاہر ہے۔ اس طرح کے حالات میں جیسا کہ فاضل جج صاحبان نے کہا ہے کہ امن و قانون کا مسئلہ یقیناً پیدا ہو گا۔

محنت کش طبقہ کے معاشی حقوق اور ایک عادلانہ معاشرہ کے قیام میں اس کی جدوجہد کو ناکام بنانے کے لئے سرمایہ دار یہی ظالمانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔

بہرحال اب کہ عدالتِ عالیہ کے ایک فیصلہ سے ایک قانونی نقطہ کی صراحت ہو گئی ہے، ہم اپنی حکومت سے اور اس کے عمّال سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ مزدوروں کی قانونی جدوجہد میں رکاوٹ ڈالنے والے کارخانہ داروں کا سختی سے محاسبہ کرے۔ تاکہ صنعتی امن بحال ہو اور مزدور عافیت کا سانس لیں۔

پی ایل ۴۸۰

سی۔آئی۔اے کا یہ خفیہ فنڈ کہاں جارہا ہے؟

امریکہ کا جاسوسی ادارہ سی، آئی، اے پاکستان میں اپنا سرمایہ ان سیاسی پارٹیوں کی امداد پر صرف کر رہا ہے، جو امریکی پالیسیوں کی حمایت کر رہی ہیں، اس مفہوم کا ایک بیان، گذشتہ دنوں، ایک سیاسی کارکن نے اخبارات میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔ ان کا بیان بے حد اہم تھا، کیونکہ آج کل پبلک پلیٹ فارم پر، سماجی اور تہذیبی انجمنوں میں، اور سب سے زیادہ خود اخبارات میں سیاسی پارٹیوں کو ملنے والی غیر ملکی امداد کا مسئلہ زیرِ بحث ہے۔ وزارتِ داخلہ کے سابق عہدیدار اور بعض نامی گرامی ریٹائرڈ جرنیل بھی اس بارے میں وقتاً فوقتاً قیاس آرائی کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اخبارات کا فرض تھا کہ کچھ ایسی شہادتوں کی اشاعت میں بھی دلچسپی لیتے، جن سے امداد لینے والوں کی نشاندہی میں مدد ملتی۔ لیکن وہ بیان شائع نہ ہو سکا۔ اب اس کا متن یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

تقریباً سبھی سیاسی پارٹیوں کی جانب سے یہ مطالبہ ان دنوں بڑا مقبول ہو رہا ہے کہ حکومت کو اس معاملہ میں چھان بین کے لئے ضروری کارروائی کرنی چاہیئے کہ آخر وہ کون سی غیر ملکی طاقتیں ہیں جو بعض سیاسی پارٹیوں کو نامعلوم ذرائع سے مالی امداد دے کر پاکستان کے اندرونی معاملات میں اور خاص طور پر انتخابات میں مداخلت کر رہی ہیں۔

"عام لوگ اس بارے میں ایک نہایت اہم شہادت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان اور پاکستانی عوام کے حقیقی دشمنوں کا بہ آسانی سراغ لگانے میں اس سے مدد مل سکتی ہے۔

"گذشتہ عام انتخابات سے پہلے ہندوستان میں بھی بالکل اسی طرح کا غلغلہ اٹھا تھا۔ انتخابات کے بعد بائیں بازو کی جماعتوں نے جو حزبِ اختلاف میں تھیں یہ مسئلہ ہندوستانی پارلیمنٹ میں اٹھایا اور ایوان میں بعض ایسی شہادتیں پیش کیں کہ حکومت ایک انکوائری کمیٹی بٹھانے پر مجبور ہو گئی۔ انکوائری کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق یہ بات ثابت ہو گئی کہ امریکی ادارہ سی آئی اے نے پی ایل ۴۸۰ کے حساب میں سے لاکھوں روپے خرچ کئے تھے۔ یہ رقم ہندوستان میں متعین امریکی سفارتخانے کے تصرف میں ہوتی تھی۔

"بیجا نہ ہوگا، اگر اس موقع پر پی ایل ۴۸۰ کے حساب کی بعض تفصیلات بیان کر دی جائیں۔ امریکہ ایک معاہدہ کے تحت محتاج ملکوں کو اُن کی غذائی قلت دور کرنے کے لئے گندم فراہم کرتا ہے اس معاہدہ کے مطابق گندم کی قیمت مقامی کرنسی میں واجب الادا ہوتی ہے اور اسی ملک کے اندر جو گندم خریدتا ہے، خرچ کی جاتی ہے۔ خرچ کا انحصار امریکی سفیر کی صوابدید پر ہوتا ہے۔

"ہندوستانی حکومت نے انکوائری کمیٹی کی رپورٹ موصول ہونے کے بعد اپنے ملک کے معاملات میں سی آئی اے کی اس مداخلت پر امریکی حکومت کی توجہ مبذول کرائی۔ امریکہ نے جواب دیا کہ وہ لوگ پی ایل ۴۸۰ کے معاہدہ کے تحت آزاد ہیں کہ اپنی رقم جیسے چاہیں صرف کریں۔ لیکن ہندوستان نے اس بدعنوانی پر اعتراض کیا اور کہا کہ پی ایل ۴۸۰ کی رقم ایک سال کے اندر اندر کسی ایسی سکیم کے مطابق خرچ کر دی جائے، جسے ہندوستانی حکومت کی منظوری حاصل ہو، ورنہ سارا حساب کتاب بحق سرکار ضبط کر لیا جائے گا، ہندوستان کی یہ تجویز امریکہ کو ماننی پڑی۔ اور وہ پی ایل ۴۸۰ کی گندگی کی پوٹ سمیٹنے پر مجبور ہو گیا۔

"ہمیں معلوم ہے کہ امریکہ نے پی ایل ۴۸۰ کا سرمایہ پاکستان میں بھی اکٹھا کیا ہے۔ اس فنڈ کے تحت اس کے تصرف میں کروڑوں روپے ہیں اور یہ روپے ابھی حال ہی میں سٹیٹ بنک آف پاکستان سے امریکن ایکسپریس بنک میں منتقل ہوئے ہیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ امریکی سی آئی اے، اپنی اس رقم سے ان پارٹیوں اور ایجنسیوں کی مدد کر رہی ہو گی، جو امریکی پالیسی اختیار کر رہی ہیں۔

"غیر ملکی مداخلت کے اس طریقہ کو جو مسلّمہ طور پر ثابت ہو چکا ہے، بند کرانے کے لئے حکومت پاکستان ضروری کارروائی کرے۔ حکومت اس سلسلہ میں ہندوستان کے واقعات کا حوالہ دے سکتی ہے اور امریکی حکومت سے کہا جا سکتا ہے کہ پی ایل ۴۸۰ کے معاہدہ پر نظرِ ثانی کرے جس طرح اس نے ہندوستان میں کیا تھا۔"

اس بیان پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم طے شدہ نکات جو ہمارے سامنے آتے ہیں، درج ذیل ہیں۔

۱۔ امریکن ایکسپریس بنک میں امریکہ کا وافر سرمایہ (تقریباً ایک ارب روپے) جمع ہے۔

۲۔ یہ سرمایہ امریکی سفیر، اپنی صوابدید کے مطابق خفیہ طور پر خرچ کرتا ہے۔

۳۔ امریکی سفارت خانے، مختلف ممالک میں پی ایل ۴۸۰ کے تحت جمع ہونے والی رقم، وہاں کی عوامی تحریکوں کو کچلنے اور اپنی پٹھو جماعتوں کو پالنے پر صرف کرتے ہیں۔

پاکستان میں پی ایل ۴۸۰ کا سرمایہ خفیہ طور پر کن پارٹیوں اور ایجنسیوں کی اعانت پر صرف ہو رہا ہے فی الحال ان کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ جب تک کسی فرد یا ادارے کا جرم ثابت نہ ہو جائے، ہم اس فرد یا ادارے کو بالکل بے گناہ تصور کرتے ہیں۔ اسلام کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی پشت پناہی کے دعوے دار کوئی اور ہوں تو ہوں، ہم نہیں ہیں، لہٰذا یہ مانتے ہوئے کہ پاکستان کی تمام جماعتیں اپنے ملک کی خیر خواہ ہیں، ہم ان جماعتوں سے دائیں اور بائیں کی تخصیص کے بغیر یہ گذارش کرتے ہیں کہ حکومتِ پاکستان کو پی ایل ۴۸۰ کا معاہدہ بدلوانے پر آمادہ کریں۔ اور بیک زبان یہ مطالبہ کریں، کہ امریکی سفارت خانے جو دولت خفیہ طور پر خرچ کرتے رہے ہیں (اور جس کے صرفہ میں ایکسپینج کی رکاوٹ بھی موجود نہیں) اس کی تحقیقات کرائی جائے۔

ایک اور گذارش قومی اخبارات سے۔ اگر آپ کا دامن پاک ہے اور پی ایل ۴۸۰ کے تحت آپ کو نہ کچھ پانے کی آرزو ہے، نہ محرومی کی حسرت ہے، اور نہ آپ کی سرپرست پارٹیوں کو امریکی سرمایہ سے کوئی واسطہ ہے، تو اس بیان کی اشاعت میں کیا

امر مانع تھا۔ عدم اشاعت کی وجہ محض یہی تو نہیں ہو سکتی کہ وہ بیان نیشنل عوامی پارٹی کے پبلسٹی سیکرٹری نے جاری کیا تھا۔ اور بائیں بازو کی جماعتیں آپ کو بہت بُری لگتی ہیں؟

مہنگائی، آج اور کل

چند روز گذرے کراچی میں آئل ٹینکرز کی ہڑتال ہوگئی، لیکن پھر جلد ہی ہڑتال ختم ہوگئی کم از کم شہر میں اور شہر سے باہر پورے صوبہ میں تیل کی تقسیم میں کوئی غیر معمولی دشواری پیدا نہیں ہوئی، لیکن جو تاجر، اس طرح کے حالات کو "قدرت" کا عطیۂ خاص اور "غیبی امداد" سمجھتے ہیں وہ بھلا کب چوکنے والے تھے چنانچہ مٹی کا تیل مہنگا ہوگیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی قیمتیں ۳۰ فیصد بڑھ گئیں، بڑے بڑے تاجر اور ڈپو ہولڈر اب تک کمائی کر رہے ہیں۔ مٹی کا تیل، جو دو روپے گیلن ملتا تھا، دو اور سوا دو روپیہ گیلن فروخت ہوا۔

غریب آدمی کے گھر میں مٹی کے تیل کا ہی دیا جلتا ہے۔ اور اسی تیل کے چولھے پر کھانا پکتا ہے۔ بجلی اور گیس سب کے مقدر میں کہاں! انتظامیہ کو چاہیئے تھا کہ بڑے تاجروں کی اس نفع اندوزی کا فوراً محاسبہ کرتی، لیکن گرانی کی بڑھتی ہوئی یلغار کے آگے، انتظامیہ نے دفاعی تدبیریں غالباً یہ سوچ کر ملتوی کر رکھی ہیں کہ یہ تو عبوری زمانہ ہے انتخابات کے بعد نئی حکومت بنے گی اس وقت دیکھیں گے۔

آج کل سیاسی لیڈروں کے دوروں اور جلسوں کی دھوم ہے۔ پریس کانفرنسوں کا دور دورہ ہے۔ ون یونٹ کی تنسیخ اور سابقہ صوبوں کی بحالی کے ساتھ ہی نئی تقریریوں اور تبادلوں کی خبریں آرہی ہیں۔ ترقی کے امکانات سب کے سامنے ہیں۔ سیاسی لیڈر کو اسمبلی کی نشست اور اقتدار کی کرسی صاف دکھائی دیتی ہے۔ تاجر اور صنعت کار بظاہر گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں کہ "حکومت والو دوڑو مزدوروں نے گھیراؤ کر رکھا ہے"، لیکن در پردہ مزدوروں اور محنت کشوں کو وہ جو کچھ ایک ہاتھ سے دیتے ہیں، قیمتوں میں اضافہ کر کے اس سے زیادہ دوسرے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی شک ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے کچھ دیتے بھی ہیں۔ البتہ ان کی تجوریوں کے منہ ان جماعتوں کے لئے کھلے ہوتے ہیں، جو علانیہ محنت کش طبقہ کی دشمن ہیں اور آئندہ حکومت میں ان کے مفادات کی نگرانی کی دعویدار ہیں۔

غرض کہ یہ زمانہ نفسا نفسی کا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محنت کش طبقہ نے ایوب شاہی کے خلاف اپنے بنیادی مطالبوں کے حصول کی جو تحریک شروع کی تھی، اس کا مقصد تمام تر یہی تھا کہ گوشۂ عافیت میں پڑے ہوئے کچھ لیڈر جن کے نام بھی عوام کے حافظوں سے محو ہو چکے ہیں۔ ایک بار پھر حکومت میں آجائیں، صنعت کاروں اور تاجروں کی اندھا دھند لوٹ کا حق محفوظ ہو جائے، انتظامیہ کے اہلکار سیاسی اور معاشی سطح پر نئے مقتدر گروہوں سے معاملہ استوار کریں اور باقی رہے، مزدور اور متوسط طبقہ کے لوگ تو وہ ہمیشہ کی طرح گردشِ افلاک کا رونا روتے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بے جواز گرانی کیوں سر اٹھاتی اور انتظامیہ کے عہدیدار اس کے تدارک کی سعی کیوں نہ کرتے۔

گرانی محض تیل کی نہیں، بلکہ وہ بیشتر اشیاء جنہیں ارزاں ہونا چاہیئے تھا معمول کی طرح مہنگی ہیں اور باقی چیزیں پہلے سے کہیں زیادہ گراں۔ اب سے ایک سال پہلے ادویہ کی قیمتوں میں تخفیف کا اعلان ہوا تھا ادویہ ساز کمپنیوں نے حکومت سے قیمتیں کم کرنے کا وعدہ کیا، لیکن ہوا یہ کہ بعض کم استعمال ادویہ، جو یوں بھی پڑے پڑے خراب ہو جاتی تھیں، کسی قدر سستی ہو گئیں اور ان کے برعکس جن ادویہ کی زیادہ مانگ تھی، اُن کی پرانی قیمتیں بحال رکھی گئیں اور وقت گذرنے کے ساتھ نام اور لیبل کی تبدیلی کی آڑ میں، وہی پرانی قیمتیں واپس آگئیں سوتی کپڑے کے دام پچھلے ایک برس میں کہیں بڑھ گئے طے یہ ہوا تھا کہ ہر ایک گز پر قیمت لکھی جائے گی، لیکن یہ قیمت، اگر کپڑے کی کوالٹی کے مقابلہ میں غیر منصفانہ اور گذشتہ برسوں کے نرخ سے کہیں زیادہ ہو تو اسے کپڑے کے ایک گز پر ایک بار لکھا جائے، یا بار بار لکھا جائے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، گذشتہ سال حکومت نے صابن میں استعمال ہونے والے سامان پر محاصل کی چھوٹ دی تھی، لیکن قیمتیں وہی رہیں یا کچھ اور بڑھ گئیں، یہ وہ سامان ہے جو غریب آدمی کی زندگی میں کام آتا ہے، لیکن سرمایہ دار کا مفاد تو اسی میں ہے کہ وہی مال زیادہ سے زیادہ مہنگا کیا جائے، جو زیادہ سے زیادہ استعمال میں آتا ہے

اب چند ہی دنوں کی بات ہے، حکومت نئے بجٹ کے ساتھ ٹیکس اور محاصل کے سلسلہ میں اپنی نئی پالیسی کا اعلان کرے گی، اور اگرچہ امید یہی کی جاتی ہے کہ نادار اور متوسط حیثیت کے لوگوں پر نئے ٹیکسوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا، لیکن اسے کیا کہا جائے کہ منافع خور گھات میں ہیں اور ان کی روش اب تک یہ رہی ہے کہ بجٹ کے اعلان سے پہلے ہی، کچھ چیزیں "حفظ ماتقدم" کے طور پر گوداموں میں بھر لیتے ہیں اور بازار میں مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ ان کی گراں فروشی کا حکومت کی پالیسی اور بجٹ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نیا ٹیکس آئے یا نہ آئے انہیں اپنے کام سے کام اور عام تجربہ یہ ہے کہ ایک بار جب کوئی چیز مہنگی ہو جائے تو پورے مالی سال کے دوران میں اس کی ارزانی کی امید نہیں کی جا سکتی، تا آنکہ نیا بجٹ نہ آجائے۔ اور وہ چیز پہلے سے بھی زیادہ مہنگی نہ ہو جائے۔

ان تجربوں کی روشنی میں اربابِ حکومت سے ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ اشیائے ضروری کی قیمتوں پر نظر رکھیں اور اگر فی الحال ملک کی اقتصادی حالت میں کسی انقلابی تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی تو کم از کم بے جواز اور اندھا دھند گرانی کے تدارک کی ہی سعی فرمائیں۔

یہ کام کون کرے گا؟

راولپنڈی کے ڈائریکٹر تعلیمات نے گذشتہ دنوں گورنمنٹ کالج اسلام آباد میں تقسیم اسناد کا خطبہ پڑھتے ہوئے سند پانے والے طلبہ کو یاد دلایا کہ موجودہ نظام تعلیم عملاً بے کار ہے اور نصاب کا بیشتر مواد مبہم اور محض لفاظی پر مبنی ہے انہوں نے کہا کہ "ہم جس مادی دنیا میں رہتے ہیں، اس میں ایسا کوئی بھی نظام جو ترقی پذیر معاشرہ کے مطالبوں کو نظر انداز کر دے، ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا" موجودہ نظام کی خرابی یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کو ملک کے بنیادی مسائل سے عہدہ برا ہونے کا اہل نہیں بناتا، لہٰذا موجودہ تعلیمی ڈھانچہ میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ تعلیم کا نصاب ایسا مرتب ہونا چاہیئے کہ ہر علاقہ کے وسائل اور وہاں کے معاشرہ کی ضرورتوں کے مطابق ہو۔ پاکستان کے وسائل خواہ وہ صنعتی ہوں یا معدنی، زرعی ہوں یا افرادی ان کا احتیاط کے ساتھ جائزہ لینا چاہیئے اور جس قدر امکانات موجود ہیں، ان کی مدد سے آبادی کی ضرورتیں پوری کرنی چاہئیں

یہ مشورے اپنی جگہ بڑے قیمتی ہیں اور ہمیں یہ اندازہ ہے کہ ان پر عمل درآمد کسی ایک سرکاری افسر کے بس کی بات نہیں، لیکن پھر بھی، وہ وقت کب آئے گا، جب کوئی انتظامیہ اپنی مجبوری کے حصار سے نکل کر بنیادی تعلیمی اصلاحات کی ضرورت محسوس کرے گی۔

اردن کا بحران کب ختم ہوگا؟

اسرائیل کے خلاف موثر اور فیصلہ کن گوریلا سرگرمیاں صرف اسی صورت میں ممکن ہیں کہ لبنان اور اسرائیل کے نواحی علاقوں میں فدائیوں کی سرگرمیوں پر حکومت کی طرف سے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو۔

اردن پھر خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔ سینکڑوں افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ گذشتہ چند دنوں سے محاذ خاموش ہے اور بظاہر حالات معمول پر آگئے ہیں۔ لیکن کہا نہیں جاسکتا کہ یہ آتش فشاں کب پھٹ جائے اور کب اردن کی گلیوں اور بازاروں میں انسانی خون کی ارزانی ہو جائے۔

اردن کے شاہ حسین نے فلسطینی چھاپہ ماروں کے سربراہ یاسر عرفات سے بات چیت کرنے کے بعد اردنی فوج کے کمانڈر انچیف میجر جنرل شریف نصر بن جمیل (جو شاہ حسین کے چچا بھی ہیں) کمانڈر میجر جنرل زید بن شاکر اور کمانڈر آرمرڈ ڈویژن میجر جنرل محمد رسول الاکیلانی کو برطرف کر کے فوج کی کمان خود سنبھال لی ہے۔

شاہ حسین کے اس اقدام کی وجہ سے اردن میں سرد ست خانہ جنگی کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اب اردنی فوج کو فدائیوں کے خلاف کارروائی بند کر دینی چاہیئے۔ لیکن بعض اطلاعات کے مطابق اردنی فوج نے جنگی سرگرمیاں بند نہیں کیں۔

فدائیوں کا موقف یہ رہا ہے کہ مسلح افواج کے کمانڈر انچیف اور چند دوسرے اعلیٰ فوجی افسر (جنہیں برطرف کیا جا چکا ہے) اسرائیل کے خلاف جنگ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اس الزام کو بے بنیاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اردنی فوج کی پوری تنظیم و تربیت مشہور برطانوی جاسوس اور فوجی افسر گلب پاشا نے کی تھی۔ اور یہ گلب پاشا کی تنظیم و تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ اردن کی افواج دوسرے عرب ملکوں کی فوجوں کے مقابلے میں زیادہ منظم لیکن اسی قدر شاہ پرست ہیں۔ ان کی مغرب نوازی بھی مسلّم ہے۔ اسرائیل سے جنگ کرنے والے تمام عرب ملکوں میں اردن واحد ملک ہے۔ جو اس پر آشوب زمانہ میں بھی مسلّمہ طور پر امریکہ اور برطانیہ کا دست تصور کیا جاتا ہے۔ ایک علیحدہ ریاست کی حیثیت سے موجودہ اردن کا قیام نصف صدی پہلے انگریز کی ڈپلومیسی کا نتیجہ تھا۔

یاسر عرفات

پہلی عالمگیر جنگ سے پہلے اردن فلسطین کا ایک حصہ تھا۔ انگریزوں نے عرب قومیت کو پارہ پارہ کرنے اور مشرق وسطیٰ کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹنے کی غرض سے پہلے اردن کو امارت کا درجہ دیا پھر مئی ۱۹۲۵ء میں موجودہ شاہ حسین کے دادا امیر عبداللہ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا جب سے وہ شاہ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اردن کا دورِ اوّل

شاہ عبداللہ نہایت زیرک حکمران تھے۔ انگریز بھی اُن پر نہایت اعتماد کرتے تھے۔ اردن کا رقبہ کافی بڑا ہے۔ لیکن آبادی ابتدا میں بہت کم تھی۔ ۱۹۲۵ء میں اردن کی مجموعی آبادی بمشکل دس لاکھ ہوگی۔ ۱۹۵۴ء میں بڑھ کر یہی آبادی ۴ لاکھ کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ فی زمانہ اردن کی آبادی تقریباً ۱۹ لاکھ ہے۔ جس میں صرف ایک شہر عمان کی آبادی ۵ لاکھ ہے۔ فطری طور پر شاہ عبداللہ کی یہ خواہش تھی کہ اپنے ملک کی حدود میں توسیع کریں۔ وہ اردن اور شام کو ملا کر عظیم تر شام کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر ۱۹۵۰ء میں انہیں مسجد میں قتل کر دیا گیا۔ اور اُن کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے

شاہ عبداللہ کے قتل کے بعد ان کے بیٹے شاہ طلال تخت نشین ہوئے۔ لیکن چند ہی برس بعد انہیں تخت سے معزول کر دیا گیا۔ وہ طبعاً خود رائے آدمی تھے۔ اور ان کی موجودگی سامراج کے عزائم میں رکاوٹ بن سکتی تھی۔ تخت سے ان کی علیحدگی کا سبب اُن کی علالت بیان کی گئی۔ بہر حال ان کے صاحبزادے شاہ حسین اردن کے بادشاہ بنے۔

شاہ حسین کا زمانہ

شاہ حسین اپنے دادا کی طرح زیرک اور چالاک ہیں انہوں نے تعلیم اور تربیت بھی برطانیہ میں حاصل کی۔ اس لئے شروع ہی سے مغرب نواز سمجھے جاتے رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ۱۹۶۷ء کی اسرائیل ـ عرب جنگ سے پہلے مغرب کی خبر رساں ایجنسیوں نے بار بار یہ خبر دی کہ شام کی بعث پارٹی یا صدر ناصر شاہ حسین کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں اور وہاں شخصی حکومت ختم کر کے عوامی اور نمائندہ حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مغربی خبر رساں ایجنسیوں کی ان خبروں سے بھی یہی مترشح ہوتا تھا کہ اردن کی حکومت مغرب نواز ہے۔

۱۹۶۷ء کی اسرائیل ـ عرب جنگ میں شاہ حسین نے اسرائیلی یلغار کا مقابلہ کیا اور مغربی ملکوں کی پروا کئے بغیر صدر ناصر سے تعاون کیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شاہ حسین سب سے پہلے قوم پرست ہیں۔ اور شاید اسی وجہ سے فدائیوں اور اُن کے رہنماؤں کو یاسر عرفات سمیت اُن کی ذات پر اعتماد پیدا ہوا۔ البتہ اُن کی حکومت اور فوج میں شروع ہی سے ایسے افراد کلیدی مناصب پر فائز رہے ہیں۔ جن کی مغرب نوازی مسلّم ہے۔ اس لئے اگر اُن پر یہ شبہ کیا جائے یا یہ الزام لگایا جائے کہ وہ فدائیوں کی سرگرمیوں میں مزاحم ہوتے ہیں تو بے بنیاد بھی نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں ایک نکتہ اور بھی قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ موجودہ حالات میں جب کہ عرب ممالک کے پاس سازو سامان کی بڑی قلت ہے۔ اسرائیل کو صرف گوریلا سرگرمیوں کے ذریعہ زچ کیا جاسکتا ہے اور اسے مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ عربوں کے مقبوضہ علاقے خالی کردے۔ امریکہ اور برطانیہ کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اسرائیل کے خلاف موثر طریقہ پر گوریلا سرگرمیاں لبنان اور اردن ہی کے سرحدی علاقوں سے جاری رکھی جاسکتی ہیں۔ اس لئے اگر ان ملکوں اور علاقوں پر ایسی حکومتیں مسلط رہیں جو مغرب نواز ہوں تو ان علاقوں سے موثر طریقے پر گوریلا سرگرمیاں جاری نہیں رہ سکیں گی۔ اور اس طرح اسرائیل کو اپنے توسیعی مقاصد پورے کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔

شاید یہی وجہ ہو جیسا کہ فدائیوں نے کہا ہے کہ امریکہ شاہ حسین کو معزول کرا کے ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی شاہ حسن کو تخت نشین کرانا چاہتا ہے کیونکہ شاہ حسین سے اسے یہ توقع نہیں کہ وہ عربوں کے مفادات کو نقصان پہنچا کر اسرائیل سے کوئی ایسا سمجھوتا کرلیں جس سے اردن کو تو وقتی طور پر فائدہ پہنچ جائے۔ لیکن اسرائیل کے توسیعی عزائم کو تقویت پہنچے۔

گذشتہ دو سال کے بعد شاہ حسین کے سامنے ایسی مقدر تجاویز پیش کی جاچکی ہیں۔ لیکن شاہ حسین نے انہیں ہر بار حقارت سے ٹھکرا دیا۔

مستقبل کیا ہے؟

مغربی طاقتوں کو یہ خدشہ ہے کہ اگر فدائیوں کو سختی سے نہ کچلا گیا تو عنقریب اردن اور اس کے بعد لبنان میں ان کا عمل دخل مکمل ہو جائیگا بلکہ بعض مغرب نواز حلقوں نے یہ کہنا بھی شروع کر دیا ہے کہ اردن میں دو عملی نہیں چل سکتی مستقبل قریب میں اردن کے حکمراں یا شاہ حسین ہوں گے یا یاسر عرفات۔ اردن کے عوام کو ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔

سامراجیوں کی جو توقعات شاہ حسین سے پوری ہوتی نظر نہیں آئیں، ان توقعات کی تکمیل وہ شاہ حسن کے ہاتھوں چاہتے ہیں۔ شاہ حسن برطانیہ میں زیر تعلیم رہنے کے علاوہ خاصے مغرب نواز ہیں مغربی مبصروں کی رائے بھی ان کے ذریعہ اردن میں فدائیوں کو کچلنے کا کام لیا جائے گا جس کا لازمی ردعمل یہ ہوگا کہ نہ صرف اردن بلکہ پوری عرب دنیا خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے گی۔ اور ان کی نظر میں اسرائیل کی طرف سے ہٹ کر ذاتی اور شخصی مفادات پر مرکوز ہو جائیں گی ——— بہت ممکن ہے کہ شاہ حسین نے جن فوجی افسروں کو برطرف کیا ہے وہ اس سازش میں شریک ہوں اور شاہ حسین کو بروقت اس کی خبر مل گئی ہو اس لئے انہوں نے "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" کے اصول پر دانائی سے عمل کرتے ہوئے انہیں ان کے مناصب سے علیحدہ کر دیا۔

اردن کی سیاست کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ بہر حال یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسرائیل کے خلاف موثر اور فیصلہ کن گوریلا سرگرمیاں صرف اسی صورت میں ممکن ہیں کہ لبنان اور اسرائیل کے سرحدی علاقوں میں فدائیوں کی سرگرمیوں پر حکومت کی طرف سے کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہو۔ اس کے برعکس امریکہ اور برطانیہ کی کوشش یہ ہوگی کہ یہ علاقے ایسے افراد کے زیر نگیں رہیں۔ جو نہ صرف مغرب نواز ہوں بلکہ ان کی مرضی و منشا کے مطابق عمل بھی کریں۔

اردن میں، امریکی سفارت خانہ کی پُراسرار سرگرمیاں

الفتح کے ترجمان آصفہ ریڈیو نے اپنے نشریئے میں امریکہ پر الزام لگایا ہے کہ وہ ایک منظم سازش کے ذریعے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکا رہا ہے تاکہ فلسطینی حریت پسندوں کو چھوٹی چھوٹی جنگوں میں الجھا کر ان کی طاقت کا شیرازہ منتشر کیا جاسکے۔ آصفہ ریڈیو نے مزید کہا کہ اس قسم کے واقعات شروع کرنے والے اور فلسطینی فدائیوں کو خانہ جنگی میں الجھانے والے سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ فروری کی خانہ جنگی کے بعد اردن کا یہ دوسرا بڑا سیاسی بحران ہے۔ جس میں اب تک سینکڑوں افراد ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ فروری کی خانہ جنگی کے دوران بھی الفتح نے الزام لگایا تھا کہ اردن کے علاقے سے اسرائیل فوجیوں کے خلاف فدائیوں کی جنگی کاروائی اور نقل و حمل میں مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ جس سے مشرق وسطیٰ میں سامراجی مفادات کو تقویت پہنچتی ہے۔

اردن کے موجودہ سیاسی بحران کے بارے میں الفتح کے ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکہ شاہ حسین کی جگہ شہزادہ حسن کو بادشاہ بنانے کی سازش کر رہا ہے۔ تاکہ اردن کے علاقے میں فلسطینی، فدائیوں کی سرگرمیاں مکمل طور پر ختم کی جاسکیں ریڈیو نے یہ بھی الزام لگایا ہے کہ شہزادہ حسن کو برسر اقتدار لانے کے لئے اردن میں امریکی سفارت خانے نے اپنی پراسرار سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔ الزام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاہ حسین کو معزول کر کے اور ان کی جگہ شہزادہ حسن کو اقتدار سونپنے کے امریکی منصوبے میں شاہ کے چچا میجر جنرل شریف نصر بن جمیل۔ کمانڈر انچیف میجر جنرل زید بن شاکر، کمانڈر ارمرڈ ڈویژن، اور میجر جنرل محمد رسول الاکیلانی (سابق وزیر داخلہ) بھی ملوث ہیں۔

عمان کی صورت حال انتہائی خراب تھی۔ چند روز پہلے تک اردن کی فوج فلسطینی کیمپوں پر مسلسل بمباری کرتی رہی۔ دارالحکومت میں فلسطینی مہاجروں اور فدائیوں کا داخلہ اب بھی ممنوع ہے۔ گاڑیوں کی سختی سے چیکنگ کی جارہی ہے اور تمام اخبارات پر سنسر کی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں

اردن میں فلسطینی فدائیوں اور اردن کی فوج کی حالیہ جھڑپوں میں فلسطینی فدائیوں نے شہر کے بعض علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ اردن کی فوج آزادی فلسطین کی پاپولر فرنٹ کے ہیڈ کوارٹر الوحدت کیمپ پر شدید بمباری کرتی رہی اسکا شدید ردعمل ہوا اور فدائیوں نے عمان کے شہر میں اپنی کارروائیاں تیز تر کر دیں فدائیوں کا کہنا ہے کہ "صبر کی حد ہوتی ہے، انقلابی ہاتھ جوڑ کر کھڑے نہیں رہیں گے۔ وہ بھی جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

شاہ حسین نے فلسطینی فدائیوں کے مطالبہ کے پیش نظر کمانڈر انچیف اور دوسرے مشتبہ افسروں کو برطرف کر کے فوج کی کمان خود سنبھال لی ہے اور مصر، عراق، شام اور الفتح کے قائد یاسر عرفات کی ذاتی مداخلت اور کوششوں سے خونریز جھڑپوں کی شدت میں کمی ہوگئی ہے۔ لیکن یہ کہنا غالباً قبل از وقت ہوگا۔ کہ ان لیڈروں کی مداخلت سے اردن کے حالیہ بحران کے فوری خاتمے کی کوئی راہ نکل آئے گی۔

سیلون میں نئی اصلاحات

سیلون میں وزیر اعظم مسز بندرانائیکے کی حکومت نے اسرائیل سے سفارتی تعلقات معطل کرنے کا اعلان کر دیا ہے یہ حکومت پارٹیوں کے ایک متحدہ محاذ نے بنائی ہے جس میں لنکا فریڈم پارٹی، کمیونسٹ پارٹی اور ٹراٹسکائی پارٹی شامل ہیں۔ متحدہ محاذ نے سیلون کے عوام سے انتخاب سے پہلے جو وعدے کئے تھے ان پر فی الفور درآمد شروع ہو گیا ہے۔ نئی حکومت نے ایک انقلابی اقدام یہ کیا کہ غیر ملکی بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ سابقہ حکومت نے راشن میں دو پونڈ فی کس فی ہفتہ کی کمی کی تھی۔ نئی حکومت نے راشن کا پرانا کوٹا بحال کر دیا ہے۔ تمام سرکاری ملازموں کو ٹریڈ یونین کے سارے حقوق بحال کر دیئے ہیں۔ حکومت نے آزاد اخبارات کی حوصلہ افزائی کا وعدہ کیا ہے۔ تاکہ اخبارات سرمایہ داروں کی اجارہ داری سے آزاد ہو جائیں۔

نئی حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ وہ کسی فوجی صف بندی یا بلاک میں شامل نہیں ہوگی۔ لیکن سامراجیت، استعماریت اور نسل پرستی کی مخالفت کرے گی۔ نیز مشرقی جرمنی کی جمہوری ریپبلک، شمالی کوریا کی حکومت، شمالی ویت نام کی حکومت اور جنوبی ویت نام کی انقلابی عبوری حکومت کو تسلیم کرتی ہے۔

برطانیہ میں ایک انتخابی مہم کی روداد

معمولی سی چائے کی دعوت

دوپہر کا کھانا ختم کرنے کے بعد مسز اینڈ اسکر دیز جھوٹے برتن لے کر باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اینڈ نے دروازہ کھولا تو مسٹر بل پرائس کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا۔

"ہیلو مسز اسکر دیز، کیا میں ایک منٹ کے لئے اندر آسکتا ہوں۔"

"ہیلو مسٹر پرائس، آیئے آیئے۔ خیر تو ہے؟" اینڈ نے حیرت سے پوچھا۔

"بس میں یہ کہنے آیا تھا کہ معزز مہمان کل شام کو کوئی چار بجے تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہائے اللہ" اینڈ نے گھبرا کر کہا "مجھے تو بڑی پریشانی ہو رہی ہے۔ مطلب یہ کہ برآمدے کی قلعی اتر رہی ہے، اور کمروں میں کاغذ نہیں لگا۔ یوں تو کاغذ پرسوں ہی لا کر رکھ لیا تھا مگر بس فرصت ہی نہیں ہوئی اور گھر کے سامنے جو میں نے گلاب لگایا ہے۔ بڑا اچھا ہے۔ کاش کل تک کھل جاتا۔۔۔"

مسز اسکر دیز، آپ گھبرایئے نہیں۔ بس یہ تو معمولی سی چار کی دعوت ہوگی۔ بس جیسے معمولی گھروں میں کوئی دوست آجائے۔" مسٹر پرائس نے دلاسہ دیا۔

مسز اینڈ اسکر دیز کا گھر نمبر ۷، اسانٹن روڈ رگبی میں واقع ہے وہ ایک معمولی انگریز عورت ہے اور ایک معمولی سے گھر میں رہتی ہے برطانوی حکومت ہر سال کئی لاکھ مکانات بنواتی ہے جو عام آدمیوں کو بہت تھوڑے سے کرائے پر دیئے جاتے ہیں یہ گھر نہایت صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ گرم سرد پانی، بجلی مکان گرم رکھنے کے لئے سنٹرل ہیٹنگ اور کرایہ برائے نام، یہ کونسل ہاؤس اسکیم کہلاتی ہے آج کل انتخابات میں یہ مسئلہ بھی ٹوری اور لیبر پارٹی کے درمیان زیر بحث ہے کہ کون زیادہ اچھے اور زیادہ تعداد میں مکان بنوا سکتا ہے۔

مسٹر پرائس، رگبی کے مقامی لیبر لیڈر اور ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ممبر پارلیمنٹ اپنے علاقے کے لوگوں سے ذاتی رابطہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے گھروں پر جاتا ہے چنانچہ انتخاب میں دو ہفتے رہ گئے تھے کہ مسٹر پرائس، مسز اسکر دیز کے گھر گئے اور "معزز مہمان" کی آمد کے متعلق مندرجہ بالا باتیں کیں۔ جیسے ہی مسٹر پرائس ملاقات کر کے رخصت ہوئے پورے محلے میں خبر اڑ گئی کہ اینڈ کے یہاں چار کی پارٹی ہے۔ اب اس پارٹی کا حال خود مسز اینڈ اسکر دیز کی زبانی سنئے۔ (یہ اصل کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ ہے۔)

"اے، میں تو بڑی پریشان تھی کہ ہوگا کیا؟ میری بچی ہے نا لینڈا۔ ماشاءاللہ اب تو جوان ہو گئی ہے میں نے اس سے کہا کہ سرخ لباس پہن لے ہم لیبر کو ووٹ دیں گے اور ہم مزدور پیشہ لوگوں کے لئے سرخ رنگ مناسب ہے خون پسینہ ایک کر کے پیسہ کماتے ہیں۔ پھر میں جلدی جلدی بازار گئی اور وہاں سے کیک لائی اکتنی ہی معمولی چار کی پارٹی ہو مگر کچھ تو چار کے ساتھ رکھا جائے۔ اب جو میں لوٹی تو دروازے پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہیں۔ کوئی کیمرہ لئے کھڑا ہے، کوئی بجلی کے تار ٹھیک کر رہا ہے اور پڑوسنیں مجھ سے کہنے لگیں: "اینڈ یہ جو تم نے ایپرن باندھ رکھا ہے، اسے تو اتارو، غضب خدا کا معزز مہمان آرہے ہیں اور آپ ایسی وضع بنائے ہوئے ہیں

مصنف:۔ مختار زمن (لندن)

جیسے ابھی باورچی خانے سے چلی آرہی ہیں۔ مگر میں نے ان سے کہا کہ "نا بہن۔ میں تو ایک گھرستن ہوں۔ باوس وائف اور میری تو یونیفارم ہی میرا ایپرن ہے۔"

اب جو گھر میں آکر دیکھتی ہوں تو موئے ٹیلی ویژن والوں نے اور اخبار والوں نے گھر پر قبضہ کر رکھا ہے۔ پانچ مرتبہ تو میں نے قالین صاف کیا۔ پھر سوچنے لگی کہ میں کہوں گی کیا؟ مہمان کو خطاب کیونکر کیا جائے گا۔ یور گریس کہوں یا یور آنر" کہوں۔ بس میں یہ سوچ ہی رہی تھی اور آخری مرتبہ برتنوں کو پونچھ رہی تھی کہ باہر سے شور سنائی دیا تالیاں بج رہی تھیں اور نعرے لگ رہے تھے۔ میں گھبرا کر باہر نکلی، اے لو مہمان تو آپہنچے تھے۔ عین میں وہی شکل جو روز ٹیلی ویژن پر نظر آتی ہے۔ سفید لہریئے دار بال، چہرے پر مسکراہٹ منہ میں پائپ لگا ہوا۔ آیئے، مسکرا کر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ بیگم بھی ساتھ تھیں۔ بیچاری بڑی سیدھی سادی سی لگتی ہیں اب سنو کیا قیامت گزری۔ میں چاہتی تھی کہ مہمان ہال میں ہو کر ہمارے ڈرائنگ روم میں چلیں۔ مگر وہاں تو تل دھرنے کو جگہ نہ تھی چاروں طرف ٹیلی ویژن کے بڑے بڑے جنگی کیمرے لگے تھے بس وہ تو خود ہی بڑی بے تکلفی سے باورچی خانے میں گئے اور بولے "لایئے مسز اسکر دیز، ایک پیالی چار پلوایئے" میں باؤلی سوچ رہی تھی کہ بجلی کی کیتلی پر چار بناؤں گی۔ مگر تو بہ کرو اس کا موقع ہی کہاں ملا۔ ہر سوئچ میں موئے ٹیلی ویژن والے کا پلگ لگا ہوا تھا۔ بس وہی گیس کا چولھا خالی تھا چائے بنائی۔ بیگم نے دو چمچے شکر لی اور انھوں نے جیب سے شیشی نکالی ایک گولی اسکرین ڈالی اور چار پینے لگے۔ باتیں کرتے رہے دو ٹکڑے کیک کے کھائے۔ لینڈا سے ملے۔ بیگم نے پوچھا کہ "بہن آپ یہ شام کو کالی عینک کیوں لگائے ہوئے ہیں خدانخواستہ آنکھ میں زیادہ تکلیف ہے؟" میں نے کہا "ہاں ذرا دکھ رہی ہے۔" اتنے میں وہ شریر لڑکا کیوین گریو کہیں سے آنکلا۔ ہمارے پڑوسی کا بچہ ہے۔ اسی دن وہ ساتویں میں لگا تھا۔ وہ آیا اور بڑی بیباکی سے "ہیلو" کہہ کر آگے بڑھا۔ پھر غور سے دیکھ کر بولا "ارے تم تو وہی ہو جو روز ٹیلی ویژن پر آتے ہو اور بہت باتیں کرتے ہیں۔" معزز مہمان خوب ہنسے اور بچے کو پیار کیا۔ بس جی پارٹی ختم ہوئی۔ معمولی سی چار کی پارٹی تھی مگر مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ یاد رہے اگر وہ پیالی ہمارے "سیٹ" کی نہ ہوتی تو میں اس پیالی کو معہ چار کی پتی کے بطور یادگار الگ رکھ لیتی۔"

یہ معمولی سی چار پارٹی تھی۔ میزبان تھیں معمولی سی انگریز عورت مسز اینڈ اسکر دیز اور معزز مہمان تھے مسٹر ہیرلڈ ولسن وزیر اعظم برطانیہ۔ مسٹر ولسن نے عوام سے ملاقات کا ہفتہ شروع کیا ہے وہ اپنی بیگم کے ساتھ معمولی آدمیوں سے ملتے ہیں بازاروں کے چوک میں، لوگوں کے گھروں میں، سڑکوں کے فٹ پاتھ پر ہر جگہ یہ ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اکثر خوشگوار کبھی کبھی ناخوشگوار۔ مثلاً بعض جگہ ان پر فقرے کسے جاتے ہیں۔ آوازیں لگائی جاتی ہیں اور اکثر انڈے اور ٹماٹر پھینکے جاتے ہیں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ ایک تیس سالہ نوجوان ٹوری نے مسٹر ولسن پر تازہ انڈا پھینکا۔ پھر اس نے پریس کو بتایا کہ مسٹر ولسن مظاہرے کرنے کے حامی ہیں میں نے اپنا یہ حق استعمال کیا ہے۔"

اپنی تقریروں میں مسٹر ولسن نے کہا: "دیکھئے لیبر حکومت کے چھ سالہ دور کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آدمیوں کو اب نہ صرف کھانے کے لئے بلکہ پھینکنے کے لئے بھی تازہ انڈے دستیاب ہو گئے ہیں۔ ایک اور موقع پر انڈوں کی اتنی بارش ہوئی کہ مسز ولسن کو لباس تبدیل کرنا پڑا۔ انڈے اور ٹماٹر پھینکنا اور جلسوں میں سوالات کرنا برطانیہ کی انتخابی مہم کا ایک مسلمہ طریقہ ہے اس پر بلوہ نہیں ہوتا۔ لوگ ہنس کر چپ ہو جاتے ہیں۔

سلطانیٔ جمہور کے دور میں جمہور کو بولنے، بلکہ ڈانٹنے اور شور مچانے کی تو اجازت ہے مگر ہاتھا پائی کرنے والی پارٹی نقصان میں رہتی ہے

تیس مار خان اعظم —— نوابزادہ لیس سر اللہ خاں

اسلامی کالا باغ

۱۹۵۸ء میں ہمارے ملک کے تیس مار خان اعظم عبدالقیوم خاں نے اپنا ایک چھپن میل لمبا جلوس نکلوایا تھا۔ اس کا نتیجہ برآمد ہوا کہ اسکندر مرزا صاحب نے ان کا واقعی "جلوس" نکال دیا۔ اس کے بعد سے ہمارے یہاں یہ روایت قائم ہو گئی ہے کہ جس کا جتنا لمبا جلوس نکلتا ہے۔ اتنی ہی جلدی یاران طریقت اس کا "جلوس" نکال دیتے ہیں۔ لیکن متفکر اسلام سیدنا ولندن کلینکنا "ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اس تجربہ سے کوئی عبرت نہ پکڑی اور ۲۱ مئی کو پاک امریکن انجن فراہمی حاضرین کے تعاون سے بہ صرف کثیر و بہ اسراف خطیر، مغربی پاکستان کے چند شہروں اور قصبوں میں بھاڑے کے ٹرکوں، اسٹیشن ویگنوں، ٹیکسیوں اور کاروں کے کئی چھوٹے بڑے جلوس نکلوا ڈالے جن میں کہیں کہیں دس پانچ کرائے کے آدمی بھی اس طرح نظر آجاتے تھے۔ کہ تماشائی انہیں بھی از قسم گدھا گاڑی کوئی سواری سمجھ بیٹھتے تھے۔ اور ان کا گمان کچھ غلط بھی نہ تھا۔ وہ آدمی جس کے کندھے پر کوئی پیر قسم پا سوار ہو ایک طرح کی سواری ہی تو ہوتا۔

انجام اس جلوس پر فلوس کا وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے یعنی صالحین کا "جلوس" نکل گیا۔ دولتانہ، نورالامین مفتی شفیع مولانا کارخانوی غرضیکہ اسلامی چیمبر آف کامرس کے جملہ اراکین غیر صالحین پر یہ راز پوری طرح آشکارا ہو گیا کہ اسلام کے نام پر تجارت کرنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ کیونکہ اس کا تمام تر منافع صالحین کے "بیت المال میں" جا رہا ہے اور ان کے حساب میں چند تصویر و بیان چند مریدوں کے خطوط کے سوا کچھ نہیں جمع ہو رہا ہے۔ حد یہ کہ پاکستانی فارموسا کے چیانگ کائی شیک نے "یوم شوکت چچا سام" کے احکام جاری کرتے وقت اس تکلف کی بھی ضرورت نہ سمجھی کہ دوسرے اسلام پسندوں سے جھوٹے منہ ہی پوچھ لیتے کہ بھیا کیتنی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اس یوم پیدائش فرعون و یزید و مودودی سے اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیا اور توبہ کی کہ آئندہ اسلام کی آڑ میں شکار نہیں کھیلیں گے بلکہ پبلک کو آئینی و اقتصادی سبز باغ دکھانے پر قناعت کریں گے اور اسلام کا نام صرف بدرجۂ مجبوری لیا کریں گے باقی کام وہ سرمایہ دار جاگیردار وڈیرے کر لیں گے جو ووٹوں کے پرانے اڑھتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صالحین کے ساختہ صرف شورش پسند ان کے سرفروش اور نوابزادہ "لیس سر اللہ خان" کے سوا کوئی نہیں رہ گیا اور پبلک کو پہچاننے میں آسانی ہو گئی کہ آج نظریۂ پاکستان کے چوکیدار وہی لوگ ہیں جو کل اکھنڈ بھارت کے پہرہ دار تھے۔

صالحین کا جلوس تو خیر نکل گیا لیکن جن "اسلام پسند" سرمایہ داروں نے "یوم شوکت چچا سام" کی شام کو کراچی کلب واقع ایوب کھوڑو روڈ نزد امریکی قونصل خانہ، میں اس کی عظیم الشان کامیابی پر وائٹ ہارس وہیسکی کے جام ٹکرا کر سرمایہ دارانہ نظام کا جام صحت نوش فرمایا تھا ان

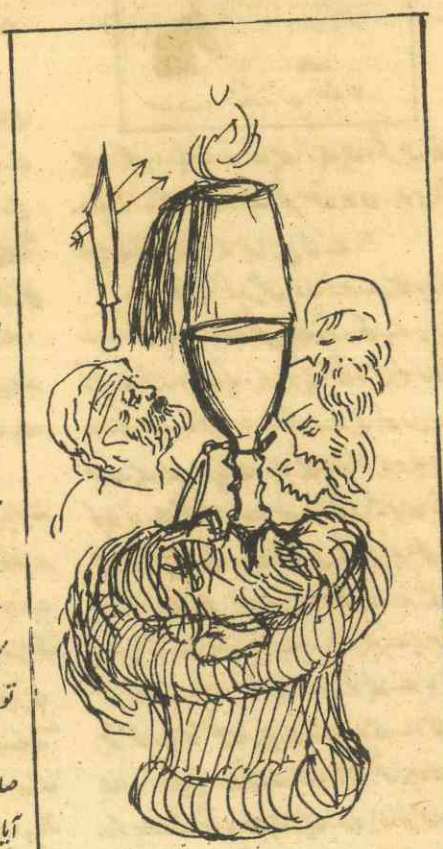

کا نشہ ہرن ہو گیا اور انہیں یہ فکر لاحق ہو گئی کہ سرمایہ دارانہ نظام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی اس آخری لو کو جو مودودیوں کی صرصر خشونت و فرعونیت سے بجھ گئی ہے دوبارہ کیونکر فروزاں کیا جائے، چنانچہ تگ و دو شروع کر دی اور مولینا لامحدودوی جو لاہور کے یوم شوکت اسلام کے جلوس میں شرکت فرمانے کے لئے مجبوراً ایک "نان ائرکنڈیشنڈ ٹرک" میں بیٹھ کر سڑکوں کا گشت لگانے کے بعد جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو گئے تھے ناسازیٔ طبع کے باوجود اچانک سرمایہ داروں کے عظیم تر سائیگان کراچی میں عیسائیوں کے ایجاد کردہ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر نازل ہو گئے اور ان کے پیچھے پیچھے نوابزادہ "لیس سر اللہ خان" اور جنرل سرفراز خاں آف محاذ لاہور فیم۔ اور دوسرے اسلام پسند بھی وارد کراچی ہو گئے۔ مقصد ظاہر ہے۔ اب یہاں بیٹھ کر وہ ٹوٹے ہوئے دائیں بازو کو "جوڑنے" کے لئے کسی عمل جراحی کے منصوبے بنائیں گے۔ شاید یہی وہ جوڑوں کا درد ہے جس میں مولینا مبتلا ہیں!

اس مرتبہ جماعت اسلامی کے ہیڈ قیم اپنے ہمراہ اپنے اسسٹنٹ "امیر المومنین" چودھری رحمت الٰہی صاحب کے علاوہ ایک نئی اصطلاع بھی لے کر آئے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں پاکستان کو "گلستان اسلام" بنانا ہے یہ اصطلاع سن کر ہم یہ سمجھے کہ شاید انڈونیشیا کے "امیر جماعت اسلامی" جنرل سوہارتو صاحب نے عوام کے دلوں سے سوئیکارنو صاحب کا داغ مٹانے کے لئے اپنے ملک کا نام بدل کر "گلستان اسلام" رکھ دیا ہے لیکن ماہرین جغرافیہ نے بتایا کہ تادم تقریر کوئی حادثہ پیش نہیں آیا لہٰذا ہم بڑی سوچ میں پڑ گئے کہ جماعت کے رہنما جو کل تک پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے آج دفعتاً اسے "گلستان اسلام" بنانے پر کیوں تل گئے ہیں آخر کافی دیر تک غور کرنے کے بعد سمجھ میں آیا کہ مولانا نے یہاں "گلستان" کا لفظ سبز باغ کے معنوں میں استعمال کیا ہے یعنی وہ پاکستان کو اسلامی "سبز باغ" بنانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو اس کا اعلان کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ تو ہمیں روز اوّل ہی سے معلوم تھا کہ آپ ہمیں "اسلامی سبز باغ" دکھا رہے ہیں بلکہ ہمیں تو اس سے بھی آگے کی بات معلوم تھی اور وہ یہ کہ اگر آپ اسلامی سبز باغ دکھا کر خدانخواستہ مسند اقتدار پر قابض ہو گئے۔ تو لوگوں کو پتہ چلے گا کہ یہ تو "اسلامی کالا باغ" ہے۔

ابھی کچھ دیر پہلے جب ہم نے چودھری رحمت الٰہی صاحب کا ذکر کیا تھا تو ہمیں اس پریس کانفرنس کا بھی خیال آیا تھا جو انہوں نے اسلام اور سرمایہ داری کی بارات عرف

تکلف برطرف

روپیہ سیٹھ کا دورہ مُلّا کا

ابراہیم جلیس

ایک دن مجھے مسجد کے پیش امام اور بُرے وقتوں کے پڑوسی مُلّا حلوہ پلاؤ الدین کے دن اچانک ایسے پھرے کہ وہ ہم متوسط اور غریب طبقے کے یاروں کا پڑوس چھوڑ کر شہر کے امیروں کے علاقے میں ایک نہایت عالیشان کوٹھی میں جا بسے۔

کل تک ہمارے پڑوس میں ان کا چھپّر تھا

ایک دن اچانک کہیں سے ایک بڑا سا مال بردار ٹرک گھر گھراتا ہوا آیا اور ان کے چھپّر پر رکا۔ محلے میں گھر گھر خبر ہوئی۔ میں بھی دوڑا دوڑا مُلّا جی کے چھپّر پہنچا تو دیکھا کہ مُلّا جی اپنا ٹین کا ٹرنک، لوٹا مٹکا اور بوریا بستر ٹرک پر لاد رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

"مُلّا — کہاں چلے — ؟ چھپّر کیوں چھوڑ رہے ہو ؟" مُلّا نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"خدا جب دیتا ہے تو چھپّر پھاڑ کے دیتا ہے۔ تفصیلات پھر کبھی بتاؤں گا۔ اس وقت بہت جلدی میں ہوں"۔

مُلّا حلوہ پلاؤ الدین ہم متوسط اور غریب طبقے کے لوگوں کا محلہ چھوڑ کر امیروں کے جس علاقے میں آباد ہوئے۔ محلے کے لوگ وہاں جاتے۔ مُلّا کی عالیشان کوٹھی اعلیٰ درجہ کا فرنیچر، ایرکنڈیشننگ پلانٹ، ٹیلی ویژن اور خوبصورت فریج دیکھ آتے اور عش عش کرتے کہ

"اپنا مُلّا حلوہ پلاؤ الدین تو جیسے دورِ حاضر کا علی بابا ہے۔ جس پر پاکستان کے ۴۰ چوروں کے خفیہ خزانے کا دروازہ کھل گیا ہے وغیرہ وغیرہ ---"

وہ مُلّا جو پہلے میل خورے کھدر کے پیوند لگے کرتے پاجامے پہنتے۔ اب اعلیٰ درجہ کی بوسکی کے کرتے اور نفیس ترین لٹھے کے پاجامے پہننے لگے ہیں۔ کندھے پر ایک نہایت بڑھیا ریشمی چادر۔ پاؤں میں کھڑاؤں کے بجائے رنگ برنگی سلیم شاہی جوتیاں پہلے تو مُلّا کو محلے کے پچاس ساٹھ گھروں کے آگے کوئی نہ جانتا تھا۔ اب سارا ملک انہیں جاننے لگا تھا کیونکہ ان کی تقریریں اور تصویریں ملک کے سارے اخبارات میں چھپنے لگی تھیں۔ چھپّر میں رہنے کا اگر واقعی کسی کو فائدہ ہوا تو صرف مُلّا حلوہ پلاؤ الدین کو۔ اور خدا نے ہماری آنکھوں کے سامنے سچ مچ چھپّر پھاڑ کر کسی کو دیا تو صرف مُلّا حلوہ پلاؤ الدین کو۔

کل کے مُلّا جی تو جیسے ملتان کے فقیر نظر آتے تھے اب آج کے مُلّا جی کو دیکھو تو نظروں کو دھوکہ ہو کہیں نہ ہو یہ خلیج فارس کی کسی متمول عرب ریاست کا کوئی امیر کبیر شیخ ہے۔ مُلّا جی نے علاقہ کیا بدلا کہ ان کی سماجی حیثیت بھی بدل گئی کہاں وہ شام کی بیٹھکوں میں ہمارے ساتھ جھلنگی چارپائیوں پہ بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی سُنانے اور سننے والے مُلّا جی اور کہاں اونچی اونچی کوٹھیوں اور بیرون ملک شہر شہر میلاد پڑھنے والے مولوی صاحب یا مولبی صاحب —!

مُلّا جی پر ہم سب محلے والوں نے تو جیسے فاتحہ پڑھ دی کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب مُلّا جی ہم سے کیا ملیں گے۔ غریب دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے مالدار آدمی کا ہونا یا نہ ہونا برابر

بڑے طویل عرصے کے بعد ایک "سیاسی سیٹھ" کی انتخابی مہم کے سلسلے میں پہلی دعوت میں اچانک ان سے ملاقات ہو گئی۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے جیسے میں مُلّا کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں بڑے گرم جوش مصافحے اور معانقے کے بعد بڑی بے تکلفی سے میں نے پوچھا

"ویار مُلّا — آج کل کس محلے میں رہتے ہو اور کس مسجد میں وعظ کرتے ہو —؟"

مُلّا جی نے خندۂ استہزا کے ساتھ کہا

"ہو ہو ہو — کیسی مسجد — کون سا محلہ! بھئی کس زمانے کی پوچھ رہے ہو — ! برادرِ عزیز اب تو یہ پوچھو کہ کون سا شہر، کون سا ملک، اور کون سا براعظم!"

میں نے جان بوجھ کو انجان بنتے ہوئے پوچھا

"کیا مطلب — ؟"

مُلّا جی نے بڑے فخر سے مونچھوں پر تاؤ دیتے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ بھائی میرے — اب میں محلوں اور گلی کوچوں کا واعظ نہیں رہا۔ اب تو میں سارے پاکستان، ایشیا، افریقہ، یورپ اور برطانیہ وغیرہ میں وعظ دینے بلایا جاتا ہوں۔ آج لندن میں تو کل جنیوا میں کبھی نیروبی میں تو کبھی جکارتہ میں۔ اگر پاکستان میں رہا تو پھر کل لاہور میں تو پرسوں ڈھاکے میں۔ صبح پنڈی میں تو شام کو کوئٹہ میں

اور اس وقت بھی میں لائل پور جانے کے لئے پابہ رکاب تھا۔"

میں نے کہا "چلو تو پھر ریلوے اسٹیشن تک الوداع کہہ آؤں۔"

مُلّا جی ایک دم کھلکھلا اٹھے "ریلوے اسٹیشن؟ کیا کہا۔ ریلوے اسٹیشن؟ ہو ہو ہو۔ ہی ہی ہی۔ ہاہاہا۔"

پھر جب ان کی ہاہا۔ ہو ہو۔ ہی ہی رکی تو بولے "برادرِ عزیز۔ میں اب بھی ماشاءاللہ صحت مند اور تندرست ہوں۔ خدانخواستہ کوئی بیمار نہیں کہ ان نکمی کھوسے کی طرح رینگنے والی ریل گاڑیوں میں سفر کروں! بھئی اب تو میں صرف ہوائی جہاز میں سفر کر سکتا ہوں۔"

میں نے بڑی رشک آمیز نگاہوں سے مُلّا جی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ واہ مُلّا۔ اب تو سچ مچ تمہارے قدم زمین پر ٹکتے ہی نہیں۔ تم بھی آسمانوں سے باتیں کرنے لگے۔ کل تک تو تم اکثر و بیشتر ٹرام اور بس کا کرایہ ہم سے اُدھار مانگ کر لے جاتے تھے۔ اب ہوائی جہازوں میں اُڑے اُڑے پھرتے ہو۔ صرف اندرونِ ملک نہیں۔ بلکہ بیرونِ ملک بھی آخر اتنا روپیہ تمہارے پاس کہاں سے آیا۔ کیا کاروبار ہے تمہارا۔۔۔؟"

مُلّا جی بولے "کاروبار۔۔۔! کاروبار یہی ہے وعظ کرنا۔۔۔ تبلیغ کرنا۔"

میں مارے حیرت کے چکرا گیا۔ "وعظ کرنے کے عوض اتنی دولت!"

مُلّا جی کی زندگی مجھ سے کون سی چھپی تھی جواب چھپاتے۔ ٹھنڈی آہ بھر کر بولے۔

یہ سب کچھ سیٹھ ڈنڈی مار کی مہربانی ہے بھائی۔"

سیٹھ ڈنڈی مار۔۔۔!! ۔۔۔ میری حیرت میں اور اضافہ ہوا۔ میں نے کہا۔

"اچھا تو سیٹھ ڈنڈی مار تمہارے اس ٹھاٹ باٹ کا ذمہ دار ہے۔ مگر وہ تو بڑا کنجوس ہے۔ "چمڑی جائے دمڑی نہ جائے" کا قائل۔ سنا ہے کہ وہ اپنی بوڑھی ماں کو پان کھانے تک کے لئے پیسہ نہیں دیتا۔ وہ کیسے تم پر اتنا بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔؟"

مُلّا جی آدمی صاف گو ہیں۔ مجھ سے تو ویسے بھی کوئی بات نہیں چھپاتے۔ چنانچہ انہوں نے بالتفصیل مجھے بتایا

"برادرِ عزیز۔۔۔! ان دنوں سیٹھ ڈنڈی مار اور اس کے بہنوئی نواب مفت خور جنگ دونوں بے چارے بڑی مصیبت میں ہیں۔ علم کی روشنی نے عامۃ الناس کو اتنا باشعور بنا دیا ہے کہ اب وہ غریبی اور امیری کے درمیان سارا غیر فطری اور مصنوعی فرق مٹا دینا چاہتے ہیں۔ یعنی سیٹھ ڈنڈی مار کا سارا روپیہ اور نواب مفت خور جنگ کے سارے کھیت، سارے مکان، ساری دکانیں وغیرہ وغیرہ آپس میں مساوی مساوی تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں نے قطع کلام کر کے کہا۔ مُلّا جی یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بلکہ اپنے مذہب اسلام کا بھی حکم اور تعلیم یہی ہے۔ کہ زمین اور اس کی پیداوار پہ سارے انسانوں کا برابر برابر کا حق ہے۔

اسلامی مساوات کی بھی اولین شرط یہی ہے کہ زمین کی ساری دولت سارے انسانوں میں برابر برابر تقسیم ہو۔ ہر انسان کو ترقی کے مساوی مواقع ملیں۔ یہ تو عین اسلام ہے۔"

مُلّا جی کا چہرہ ایک دم سے فق ہوا اور وہ ہکلاتے ہوئے بولے۔

نہیں۔ نہیں۔ یہ تو سوشلزم ہے۔ یہ تو کفر ہے۔"

مجھے غصہ آگیا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ یہ سوشلزم ہے؟"

مُلّا جی عجز پہ اُتر آئے۔

"بھئی تم جانو۔ میں تو انگریزی پڑھا لکھا نہیں۔ سیٹھ ڈنڈی مار اور نواب مفت خور جنگ نے مجھے بتایا کہ کفر کو انگریزی میں سوشلزم بولتے ہیں۔"

باقی صفحہ ۴۶ پر ملاحظہ کریں

گر تو بُرا نہ مانے

(صفحہ ۱۰ سے آگے)

"یومِ شوکتِ اسلام" کے دوسرے دن بطور "ولیمہ" منعقد فرمائی تھی۔ اس پریس کانفرنس میں ایک ایسا رپورٹر بھی جا گھسا تھا۔ جس کا ضمیر اخباروں کے "خوکار کیمپ" بن جانے کے باوجود اب تک آزاد ہے۔ اس نے کہیں یہ سوال پوچھ لیا کہ آپ کے "یومِ میلادِ المودودی" پر خرچ کتنا آیا اور اس کے جواب میں اسسٹنٹ امیر المومنین اور جملہ صالحین خود بین باجماعت بغلیں جھانک کر رہ گئے۔ مگر ہم نے اس موضوع پر اس لئے تبصرہ کرنے سے گریز کیا کہ بعض خبریں بلا تبصرہ ہی اچھی لگتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ خبر کہ تیس مار خان اعظم عبدالقیوم خان جب نشتر پارک میں تقریر فرمانے گئے تو ان کا استقبال ہیجڑوں کے رقص سے کیا گیا۔ یہ خبر اگرچہ بلا تبصرہ چھاپنے کی تھی مگر عنوان طلب ضرور تھی۔ ہماری رائے میں اگر اس خبر پر یہ عنوان لگا دیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

اسی طرح یہ خبر بھی بلا تبصرہ شائع ہونی چاہیئے تھی کہ مولانا احتشام الحق کارخانوی نے "لیل و نہار" کے شائع کردہ اس دستاویزی الزام کی تردید فرمائی ہے کہ انہوں نے صنعتی ترقیاتی بینک سے ۷½ فی صد شرح سود پر مبلغ ۴ لاکھ روپئے بطورِ قرض طلب فرمائے تھے تاکہ اس سے تولیئے بنانے کا کارخانہ قائم کر سکیں

مولانا نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اوّل تو یہ کارخانہ ان کے فرزند ارجمند احترام الحق صاحب (جو شاید ابھی نابالغ ہیں) لگانا چاہتے تھے۔ دوئم، جب انہیں پتہ چلا کہ اس بینک میں تو سود کا کاروبار ہوتا ہے۔ تو انہوں نے مطلوبہ رقم لینے سے انکار کر دیا تاہم اس خبر کے سلسلے میں ہم یہ تجویز پیش کرنے کی اجازت ضرور چاہتے ہیں کہ اگر یہ بیان مولانا کارخانوی کے بجائے کسی طرح جماعت اسلامی کے ملّا دوپیازہ میاں طفیل محمد سے منسوب کیا جا سکتا تو عین مناسب ہوتا کیوں کہ ایسے کلاسیکل لطائف و ظرائف کے جملہ حقوق نشر و اشاعت انہوں نے حکومت پاکستان سے اپنے حق میں محفوظ کرا رکھے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس بیان کے آخر میں علامہ اقبال کے یہ اشعار بھی چسپاں کر دیئے جاتے تو مولانا کی بے گناہی بالکل اسی طرح ثابت ہو جاتی جیسے ان کی اس وسیع و عریض کوٹھی کا وجود جہاں کسی زمانے میں الیکشن کمیشن کا دفتر واقع تھا اور جسے ہم نے خود اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا ہے۔

شیخ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ
او بہ پیری کودکے ایں پیر در عہدِ شباب
انقلاب!
انقلاب اے انقلاب!

کیا اسلام میں کوئی کلیسائی نظام ہے؟

پیر علی راشدی کا مضمون تاریخی اور عقلی نقطہ نگاہ سے غلط ہے

ڈاکٹر
نذیر
احمد

سابق چیئرمین، ایٹمی انرجی کمیشن پاکستان

جو سوال اس مضمون کے عنوان میں اٹھایا گیا ہے اس کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہے کہ روزنامہ جنگ کے سنڈے ایڈیشن مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۷۰ء میں "دینی مسائل" کے عنوان سے پیر علی محمد راشدی صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں پیر صاحب موصوف نے کئی ایسے دلائل اور نتائج پیش کئے ہیں جو میرے خیال میں مذہبی ہیں، تاریخی اور عقلی نقطۂ نگاہ سے غلط ہیں اور جن پر خاموش رہنا گویا ان کی صحت کو تسلیم کرنے کے برابر ہے۔

پیر صاحب موصوف نے اس مضمون میں پہلے تو اس فتوے کا ذکر کیا ہے، جو کچھ عرصہ ہوا، پاکستان کے ۱۱۳ مذہبی علماء نے پولیٹکل پارٹیوں کے متعلق شائع کیا تھا اس کے بعد یہ بیان کیا کہ ہر دین میں اختلافات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ البتہ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے ہر دینی نظام میں ایسے اداروں کا بندوبست رہتا ہے، "جو ان پر دینی علوم کی روشنی میں فیصلے صادر کرتے ہیں اور جن کا تسلیم کرنا اس دین کے پیروؤں پر لازم ہے۔ ان دلائل اور نتائج کو وہ ایک مثال کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے۔

کلیسا کا طریق کار

"عیسائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کا ایک پوپ ہے جو مذہبی امور میں سپریم کورٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پوپ کے نیچے کارڈینل، آرچ بشپ اور بشپ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ جب کسی دینی مسئلہ کے بارے میں فیصلہ دیتے ہیں تو اس دین سے تعلق رکھنے والی جملہ اقوام کو وہ فیصلہ ماننا پڑتا ہے" اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "اس طرح یہودی قوم کا بھی یہ قانون ہے کہ مذہبی امور میں مذہبی پیشواؤں اور علمائے دین کا فیصلہ ہی آخری فیصلہ ہوتا ہے۔"

(۲) اس سلسلہ میں پہلی بات تو مجھے عرض کرنا ہے وہ یہ ہے کہ منطق کا مسلّم اصول ہے جسے پیر صاحب خوب اچھی طرح سے جانتے ہوں گے کہ مثال اور تشبیہ کو دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اسلام نے کبھی اس قسم کے کلیسائی نظام کو جائز اور روا قرار دیا ہے۔ جس کی مثال عیسائیت، یا یہودیت سے لے کر پیر صاحب نے پیش کی ہے۔ رومن کیتھولک فرقے کے عقائد کی رُو سے پاپائے روم کو (VICAR OF CHRIST) حضرت یسوع مسیحؑ کا نائب سمجھا جاتا ہے، اسے معصوم عن الخطا تصوّر کیا جاتا ہے اور اس کے ماتحت مذہبی پیشواؤں کے باقاعدہ طبقات (HIERARCHY) ہوتے ہیں جن کے فرائض میں ان کے پیروؤں کی نمازوں کی امامت کرنا، ان کے بپتسمہ شادی بیاہ، تجہیز و تکفین، وغیرہ کی رسوم ادا کرنا لازماً شامل ہیں کہ ان پادریوں کے بغیر یہ کام ہرگز سرانجام نہیں ہو سکتے کوئی آدمی جو باقاعدہ طور پر پادری نہ بنایا گیا ہو۔ وہ اُن کی نماز پڑھا نہیں سکتا اور نہ ہی وہ دوسرے فرائض انجام دے سکتا ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ پادری ایک طرح سے خدا اور بندے کے درمیان وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے اختیار ہے کہ وہ کسی مرد یا عورت سے جس نے اپنے خیال میں کوئی گناہ کئے ہوں ان کے گناہوں کا اعتراف سن کر خدا کے نام پر ان کو معاف کر دے۔ بلکہ پاپائے روم کو حضرت یسوع کا نائب ہونے کی حیثیت سے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کے لئے دوزخ یا اعراف میں کئی سال کی سزا معاف کر دے۔

اسلامی عقائد

اسلام نے ایسے تمام عقائد کو قطعاً باطل قرار دیا ہے۔ اسلام میں سوائے انبیاء علیہم السلام کے، جن کا سلسلہ آں حضرت صلعم پر ختم ہو چکا ہے کوئی شخص معصوم عن الخطا نہیں۔ اسلام میں خدا اور بندے کے درمیان کسی دوسرے شخص کو وسیلہ بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ از روئے قرآن مجید اللہ تعالیٰ انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسلام میں ہر شخص نماز اور

> پاپائے روم کو حضرت یسوع کا نائب ہونے کی حیثیت سے یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کیلئے دوزخ یا اعراف میں کئی سال کی سزا معاف کر دے۔ کیا آپ "علماء" کے لئے بھی یہی اختیار مانگتے ہیں؟

نکاح پڑھانے کا مجاز ہے - اور ان کے لئے کسی پیشہ ور مولوی کی شرکت لازم نہیں - اس بنا پر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو شان پیر صاحب موصوف نے بطور دلیل پیش کی ہے - نہ تو اس کا ہمارے مذہب میں جواز ہے اور نہ وہ کسی اسلامی سوسائٹی میں کبھی موجود رہی ہے - لہٰذا اس غلط بنیاد پر جو عمارت انہوں نے کھڑی کی ہے وہ یقیناً مستحکم اور استوار نہیں - بلکہ اس میں اتنا کمزوری ہے کہ وہ آسانی سے گر سکتی ہے -

(۳) ممکن ہے کہ اس مضمون کے لکھتے اور عیسائی کلیسائی نظام کی مثال دیتے وقت پیر صاحب موصوف کے ذہن میں کچھ ایسی ہستیاں ہوں جو ان کے خیال میں پاکستان کا پاپائے اعظم یا کراچی، لاہور، راولپنڈی، ملتان وغیرہ بڑے شہروں کے لارڈ بشپ یا آرچ بشپ بننے یا کہلانے کے مستحق ہوں - اگر ایسا ہے تو ہمیں امید ہے کہ پیر صاحب ہمارا تعارف ان ہستیوں سے کرائیں گے تاکہ ہم ان کی گرانقدر رائے سے مستفید ہوں -

(۴) میں نے اوپر عرض کیا ہے کہ ان بنیادوں پر جو عمارت پیر صاحب موصوف نے اپنے مضمون میں کھڑی کی ہے ان میں کئی خامیاں ہیں - میں ان میں سے بخوفِ طوالت صرف چند کی طرف قارئین کی توجہ دلانا چاہتا ہوں -

"عالم" بننے کی آزادی

پیر صاحب نے جہاں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو رومن کیتھولک چرچ میں مختلف مناصب پر مقرر کئے جاتے ہیں وہاں انہوں نے فرمایا ہے کہ "وہاں صرف ایسے لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے جو چوٹی کے عالمِ دین ہوں اور جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تحصیلِ علم دین میں صرف کیا ہو -"

یہ بات بالکل درست ہے لیکن جس بات کا پیر صاحب نے غالباً دانستہ طور پر ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ پادری بننے سے قبل اُن میں سے بلا امتیاز ہر شخص کو کئی سال تک کالج اور یونیورسٹی میں علوم کا ایک وسیع کورس، جس میں نہ صرف خالص مذہبی علوم بلکہ ایک حد تک علوم جدید بھی شامل ہیں، پڑھنا پڑتا ہے - اور اس کے بعد انہیں ایک کافی مشکل امتحان میں شریک ہو کر پاس کرنا پڑتا ہے - ان تمام مرحلوں کے بعد وہ اپنے نام کے پہلے (Rev) یا اپنے نام کے بعد اپنی حاصل کردہ ڈگری لکھ سکتے ہیں - چونکہ ان کو علوم جدیدہ سے بھی تھوڑی بہت واقفیت ہوتی ہے اس لئے وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں - پادری بننے کے بعد اعلیٰ مراتب پر اُن کی ترقی اور تقرر کا انحصار ان کی مزید قابلیت اور خدمت پر ہوتا ہے - اس محنت اور مشقت اور مسلم قابلیت کے بغیر کسی شخص کو اجازت نہیں ہے کہ وہ از خود پادری بن کر مذہبی پیشوائی کا دعویٰ کرنے لگے -

ہمارے یہاں بدقسمتی سے ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ مولوی، عالم، علامہ وغیرہ جیسے بارعب خطابات لگالے - اس کے لئے کوئی باقاعدہ کورس پڑھنے یا امتحان پاس کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اور نہ ہی نام کے ساتھ چھوٹے خطاب سے بڑا خطاب لگانے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی ٹھوس علمی خدمت کی جائے - اور نہ ان کا تقرر حکومت کی طرف سے یا کسی اعلیٰ مذہبی عہدہ دار کی طرف سے کیا جاتا ہے - بلکہ وہ اپنی گدی جما کر خود اس پر بیٹھ جاتے ہیں - ایسی صورت میں اگر ان لوگوں کے دلوں میں جن کو علوم کی وسعت کا کچھ اندازہ ہے ان خود خطاب یافتہ اور نام نہاد مولویوں کی قابلیت کی نسبت شکوک پیدا ہوں - تو کوئی تعجب کی بات نہیں - اور اگر لوگ ان کے اس خود حاصل کردہ حق کو کہ جس شخص کو چاہیں وہ انہیں جنبشِ قلم سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیں قابلِ احترام خیال کریں تو یہ اس طرح برگشتہ

> **ہم ایک طرف مذہبی علم کے زوال کا رونا رو رہے ہیں، ادھر مولوی، عالم اور مولانا علامہ بن گئے ہیں یا بننے کے آرزومند ہیں**

ہونے اور درشت لہجہ اختیار کرنے کی وجہ نہیں جس کی مثال پیر صاحب نے ان الفاظ میں دی ہے کہ "وہ زندہ رہا تو اپنے قبیلہ سے باہر اور مرا تو جانور کی طرح"

(۵) پیر صاحب نے ان شکوک کا جو عام لوگوں کے دلوں میں مولوی صاحبان کی نسبت جاگزیں ہیں - موردِ الزام انگریزوں کو قرار دیا ہے - جنہوں نے بقول ان کے "دانستہ طور پر علماء اسلام کے خلاف خود مسلمانوں میں نفرت پھیلائی اور اسلامی مذہبی اداروں کو بے اثر بنا دیا" ہماری ہر خانہ کمی اور کمزوری کو انگریزوں کی طرف منسوب کرنا ایک عام اور فرسودہ عادت ہو گئی ہے - لیکن اس عادت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے پہلے ہمیں از روئے انصاف دو باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہئے - اوّل تو یہ کہ اگر ہم میں نفاق، حسد، جاہ طلبی، برادر کشی، مرکز سے بغاوت وغیرہ جیسی قبیح خرابیاں نہ ہوتیں جن کی کئی مثالیں تاریخ کے اوراق سے دی جا سکتی ہیں - اور جن سے یقیناً انگریزوں نے فائدہ اٹھایا، تو کیا مٹھی بھر انگریزوں کی اتنی ہمت اور طاقت تھی کہ وہ اتنی بڑی قوم کو جس نے سات سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی، اتنے تھوڑے عرصے میں زیر نگیں کر سکتی - دوسری بات، جس پر انگریزوں کی رائج کردہ تعلیم پر اعتراض کرنے سے پہلے ہمیں ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے، یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کو تو سو ڈیڑھ سو سال گذرے ہیں - اس سے پہلے یہاں کے مسلمانوں کی تعلیم کیا مولوی صاحبان کے ہاتھوں میں نہ تھی اور کیا اس طویل زمانے میں انہوں نے قوم کو اس قسم کی تعلیم دی جس سے وہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالاتِ زمانہ کا کامیابی سے مقابلہ کرتے - اور دوسری اقوام کے نہ صرف دوش بدوش چلتے بلکہ اُن سے سبقت لے جاتے -

حالاتِ حاضرہ سے بے خبری

اس ضمن میں مجھے وہ تاریخی واقعہ یاد آیا ہے جب اورنگ زیب کی تخت نشینی کے بعد مُلّا جیون، جنہوں نے اُن کو لیجھدی کے زمانے میں پڑھایا تھا، اُن کے سامنے اپنی سابقہ خدمات کا صلہ پانے کے لئے حاضر ہوئے - اورنگ زیب نے ان سے پوچھا کہ ملا صاحب آپ نے مجھے درسِ نظامیہ تو دیا لیکن کبھی یہ بھی بتلایا کہ ہندوستان سے باہر کون سے ممالک ہیں - اُن کی طرزِ حکومت کیا ہے ان کی افواج بندی کیسی ہے - ان کی صنعت و حرفت کیا کیا ہیں - ہمارا اگر ان سے مقابلہ ہو تو ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیئے وغیرہ اس قسم کی تعلیم تھی جو حالاتِ زمانہ میں تبدیلی کے باوجود صدیوں تک ان مدارس میں دی گئی - جن کا پورا انتظام اور اہتمام ہمارے مولوی صاحبان کے ہاتھوں میں تھا - اور جس کے نتیجے میں ہم دوسری اقوام سے دنیا کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے -

(۶) لاجیون کے نام سے مجھے یہ بھی خیال آیا کہ اس زمانے میں اور سالہا سال تک مُلّا اور مولوی ایک قابلِ عزت لقب سمجھا جاتا تھا پورے مغلئی دور میں جب کہ درسِ نظامی کی تعلیم اپنی چوٹی پر تھی، صرف دو آدمیوں کو علامہ کے معزز لقب کا مستحق قرار دیا گیا - یعنی علامہ ابوالفضل اور علامہ سعد اللہ خاں وزیر اعظم، اس صدی کے اوائل میں صرف اقبالؔ کے نام کے ساتھ علامہ کا لقب بجا طور پر استعمال کیا جاتا تھا - لیکن آج، جب کہ ہم ایک طرف مذہبی علم کے زوال کا رونا رو رہے ہیں - دوسری طرف مولوی عالم اور مولانا اور ہر عالم علامہ بن گئے ہیں یا بننے کے آرزومند ہیں اس لقب کو اس قدر عام اور سستا بنا کر نہ صرف ہم نے اس کی حیثیت گرا دی ہے بلکہ جن چند ہستیوں کے نام کے ساتھ یہ بجا طور پر استعمال ہونا چاہیئے ان کے حفظِ مراتب کا پاس بھی جاتا رہا ہے -

اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ ہم جو

مولانا کا لقب تقریباً ہر مولوی صاحب کے لئے استعمال کرنے کے عادی ہو گئے ہیں تو ان میں ہم کہاں تک حق بجانب ہیں۔ جنگ اُحد میں جب کفار نے نعرہ لگایا کہ لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم، اس کے علاوہ جب ہم درود پڑھتے ہیں تو یہی الفاظ آنحضرت صلعم کے نام کے ساتھ لگا کر پڑھتے ہیں۔ اس لئے جیسا کہ عربی کتابوں اور عرب ممالک میں دستور ہے۔ ہمیں اس لقب کے کثرت استعمال سے احتیاط کرنا چاہیئے۔

(۷) پیر صاحب موصوف نے جو کلیسائی نظام، رومن کیتھولک یورپ میں مروّج ہے اس کی مثال تو اس لئے دی ہے کہ یہاں بھی کچھ ایسا نظام ہونا چاہیئے حالانکہ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ لیکن یہ مثال دیتے وقت وہ اس تاریخی شہادت کو قطعاً بھول گئے کہ یورپ کے جن ملکوں میں قرونِ وسطیٰ میں یہ نظام پوری شدّت کے ساتھ کارفرما رہا اور جہاں عیسائیت کے نام پر آزادی رائے اور اظہارِ خیالات پر سخت پابندیاں لگائی گئیں "جہاں مذہبی محکمہ احتساب کے حکم سے نہ صرف کتابیں جلائی گئیں بلکہ خود انسانوں کو جلایا گیا یا قید بامشقت میں رکھا گیا اور یہ تشدّد بارہا ایسے مسئلوں کی بنا پر ہوا جن کا مذہب سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا مثلاً یہ مسئلہ کہ سورج زمین کے گرد گھومتا ہے یا زمین سورج کے گرد۔ جس کی وجہ سے گلیلیو جیسے عظیم سائنس دان کو قید خانے میں ڈالا گیا۔ یا تعدّدِ عالم کا مسئلہ جس کی بنا پر برونو کو زندہ جلا دیا گیا۔ اور اس قسم کی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، تو وہی ملک مثلاً اٹلی اور اسپین ہیں جو ترقی کے میدان میں ان دوسرے ملکوں سے پیچھے رہ گئے۔ جہاں سولہویں صدی کی مذہبی اصلاح (REFORMATION) کی وجہ سے اس تنگ نظری اور تشدّد میں کمی آگئی۔ ان ملکوں کے مقابلے میں جرمنی، انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، سویڈن، وغیرہ کی نمایاں ترقی کوئی اتفاقی بات نہیں۔ بلکہ اس کا تعلق براہ راست اس مذہبی اصلاح سے ہے، جس کے باعث کلیسا اور پادریوں کا زور ٹوٹا اور تشدّد کم ہوا اور لوگوں کو از خود سوچنے اور بلا خوف اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نصیب ہوا۔

(۸) ممکن ہے کہ پیر صاحب موصوف اور اُن کے ہمنوا بزرگ یہ فرمائیں کہ یہ تو سب باتیں یورپ کی ہیں۔ ہمارے یہاں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ پیر صاحب نے اپنے زیر بحث مضمون میں فرمایا بھی ہے کہ "کیا ہم نے آج تک کسی مرتد یا ذاتِ باری کی ہستی سے منکر کو پھانسی پر لٹکایا ہے؟" مجھے افسوس اور تعجّب ہے کہ یہ سوال کرتے وقت پیر صاحب جیسے بزرگ صحافی اور عالم نے تاریخی واقعات سے چشم پوشی کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کیا منصور حلّاج کا مشہور واقعہ یاد نہیں جن کو انا الحق کہنے پر سولی پر چڑھایا گیا۔ کیا انہیں سرمد کا مشہور واقعہ یاد نہیں جنہیں اس بنا پر شہید کیا گیا کہ وہ کلمہ پڑھتے وقت لا الٰہ سے آگے نہ پڑھتے تھے۔ کیا انہیں سلیم شاہی دور میں مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری کے وہ مظالم یاد نہیں جو مذہب کے نام پر انہوں نے شیخ علائی اور شیخ نیازی اور ان کے ہم خیالوں پر کئے۔ اور ان میں سے متعدّد آدمیوں کو قتل اور دوسروں بامشقت قید کی سزا دی چونکہ ملّا صاحب کے خیال میں یہ لوگ فرقہ مہدویہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کیا ان کو وہ کوڑے یاد ہیں جو خلیفہ وقت کے حکم اور ان کے مصاحبین علماء کے فتوے کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کی پیٹھ پر لگائے گئے۔ اور جس کے متعلق ابو الکلام آزاد نے تذکرہ میں لکھا ہے "عین حالت صوم میں کہ صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر روزہ رکھ لیا ہے تو تازہ دم جلّادوں نے پوری قوت سے کوڑے مارے یہاں تک کہ تمام پیٹھ زخموں سے چور ہو گئی"، اور یہ سزا انکارِ خدا پر نہیں بلکہ انکارِ خلقِ قرآن پر تھی۔

کیا پیر صاحب کو امام احمد ابن تیمیہ کا واقعہ یاد نہیں جس کو ابن بطوطہ نے اپنے سفر میں بیان کیا ہے کہ جب علماء وقت نے ان پر الزام لگایا کہ اس شخص کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دیدے تو وہ صرف ایک طلاق کے برابر ہے۔ یا کوئی شخص آنحضرت صلعم کے روضہ مبارک پر حاضری کے سفر کے دوران اپنی نمازوں کو کم کرنے کا مجاز نہیں۔ وغیرہ۔ تو حاکمِ وقت نے انہیں قید میں ڈال دیا حتیٰ کہ ان کا وہاں انتقال ہو گیا۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مذہب کے نام پر اس قسم کا تشدّد پرانے زمانے کی باتیں ہیں لیکن کیا پیر صاحب کو علم نہیں کہ جب محمد علی باب نے ایران میں مہدویت کا دعویٰ کیا تو اس کے جسم میں سوراخ کر کے اور اس میں موم بتیاں لگا کے اس کو زندہ جلا دیا گیا اور اس کے متعدد پیروؤں کو جن میں مشہور شاعرہ قرۃ العین بھی تھی، ہر طرح کی سزا دے کر مار ڈالا گیا؟

آزادی کا سہرا کس کے سر ہے؟

کیا انہیں یاد نہیں کہ ۱۹۲۴ء میں جب جماعت احمدی کا ایک فرد افغانستان گیا تو وہاں اسلام سے مرتد ہونے کی بنا پر اسے سنگسار کر دیا گیا۔ اگر ماضی میں یہ سب کچھ اور اس سے زیادہ اس مذہب کے نام پر ہوا جس کی الہامی کتاب صاف اور صریح طور پر کہتی ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" "مذہب میں کوئی جبر و اکراہ نہیں"، تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اگر اس قسم کے تنگ نظر پھر برسرِ اقتدار آجائیں۔ تو یہی باتیں دوبارہ شروع نہ ہو جائیں۔ خصوصاً جب کہ ان میں سے کم از کم چند بزرگوں کا علانیہ عقیدہ ہے کہ مرتد کو سنگسار کر دینا چاہیئے۔ گو اس عقیدے کے جواز میں وہ کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ ایسی ایک آیت نازل ہوئی تھی لیکن کسی وجہ سے وہ قرآن شریف میں شمول سے رہ گئی۔

(۹) پیر صاحب موصوف نے مختلف اسلامی ملکوں میں آزادی کی تحریکوں کے چلانے کا سہرا مولوی صاحبان کے سر باندھا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "آپ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ دیکھیں یا مشرقِ وسطیٰ کی۔ ثابت یہی ہوگا کہ جہاں کہیں اس قسم کی تحریکیں چلیں تو اُن کے موسس یا چلانے والے بلا استثنیٰ علماء دین ہی تھے۔

اس جملے میں بلا استثنیٰ کا لفظ خاص طور پہ قابلِ غور ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ دوبارہ بلکہ سہ بارہ کہنا پڑتا ہے کہ صحیح تاریخی واقعات پیر صاحب کے اس بیان کی حمایت ہرگز نہیں کرتے۔ ان تحریکوں سے قطع نظر کر کے جو ناکامیاب ثابت ہوئیں اور جن میں بعض کا ذکر پیر صاحب نے کیا ہے۔ مثلاً "ہجرت"، "خلافت اور سید احمد شہید کی تحریک" "جو تحریکیں دورِ حاضر میں اسلامی ممالک میں کامیاب ثابت ہوئیں" ان سب کے چلانے والے بلا استثنیٰ پولٹیکل لیڈر تھے۔

ترکی کو اندرونی کمزوری اور بیرونی خطروں سے اگر کسی نے آزاد کیا تو وہ کمال اتاترک مرحوم تھے جن کا شمار

باقی صفحہ ۳۲ پر

> ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مذہب کے نام پر اس قسم کا تشدّد پرانے زمانے کی باتیں ہیں، لیکن کیا پیر صاحب کو علم نہیں کہ جب محمد علی باب نے ایران میں مہدویت کا دعویٰ کیا تو اسکے جسم میں سوراخ کر کے اور اس میں موم بتیاں لگا کے اُسے زندہ جلا دیا گیا اور اس کے متعدد پیروؤں کو، جن میں مشہور شاعرہ قرۃ العین بھی تھی، ہر طرح کی سزا دے کر مار ڈالا گیا

مسجدیں پکی ایمان کچے

(از تہران)

بشیر خالد

لندن سے ایک خوش خبری موصول ہوئی ہے ایک ماہر تعمیرات سر فریڈرک گبرڈ نے بین الاقوامی مقابلہ جیت کر تین ہزار پونڈ (۳۴۲۹۰/- روپے) حاصل کئے ہیں۔ یہ مقابلہ لندن کے ریجنٹ پارک میں تعمیر ہونے والی ایک مسجد کے ڈیزائن کے سلسلے میں تھا۔ جسے اسلامک سینٹر بنوانے والا ہے۔

کہتے ہیں یہ مسجد لندن میں سب سے بڑی مسجد ہوگی۔ اس میں بیک وقت تقریباً دو ہزار مسلمان سربسجود ہو سکیں گے۔ مسجد سے ملحقہ لائبریری ہوگی جہاں ساٹھ ہزار کتابیں ہوں گی۔ ساتھ ہی ایک کیفے ٹیریا ہوگا کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی جس کتاب میں اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کا تذکرہ کیا ہے اُسی کتاب میں کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ انتظامیہ کے دفاتر ملا کر ساری عمارت تین سال میں مکمل ہوگی اور خرچہ صرف ساڑھے سات لاکھ پونڈ یعنی ۸۵،۷۵،۵۰۰ روپے۔ انگلستان کی کل مسلم آبادی کوئی ڈھائی لاکھ ہے۔ ان میں سے ایک لاکھ خوش قسمت لوگ لندن میں رہتے ہیں۔

انگریز بہادر نے ہماری اور ہمارے دین کی ہمیشہ خدمت کی ہے۔ اُن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ہم ذکر و فکر و صبح گاہی میں مست رہیں۔ اس کی مہربانیاں گنوانا دشوار ہے۔ تفصیل کے لئے ۱۹۴۷ء سے پہلے کی درسی کتابوں میں "حکومت برطانیہ کی برکتیں" والا مضمون ضرور پڑھیں۔ اپنے اس زوال کے دور میں بھی وہ اپنے فرائض منصبی سے غافل نہیں ہیں۔ ہمارے لئے ایک موزوں قسم کی مسجد کا نقشہ تیار کر دیا۔ جس کی ہمیں عرصے سے تلاش تھی نماز پڑھنے کو دل ترستا تھا لیکن ڈھنگ کی مسجد نہ ملتی تھی۔ اب صرف تین سال اور ہیں اس کے بعد ہمارے لندنی بھائی یہ نہ کہہ سکیں گے کہ نماز وغیرہ تو خیر ضرور پڑھیں لیکن مسجد بھی تو ہو۔

مساجد سے ہماری وابستگی کسی بیان کی محتاج نہیں ہے۔ ابھی حال ہی میں ہماری ایک بہت بڑی مسجد نے عظیم خدمت انجام دی ہے۔ دنیا بھر کے مسلم سربراہوں کو اتفاق بین المسلمین کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ خدا کرے کچھ نتیجہ بھی نکلے اور ہم اس مسجد کا شکریہ ادا کر سکیں یعنی دشمن کے ناپاک قدموں سے محفوظ ہو۔

ہمارا ڈھاکہ شہر مسجدوں کا شہر کہلاتا ہے۔ نماز کے اوقات پر جس مسجد میں چلے جائیں۔ ہجوم مومنین دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ یہی حال مغربی پاکستان میں مساجد کا ہے۔ مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہنے والی بات نہیں ہے۔ البتہ فجر کے وقت رونق میں کمی ضرور ہے کہ امر مجبوری ہے۔ ترقی و تہذیب کے سورج نے دن کے اوقات تقریباً آدھی رات تک بڑھا دیئے ہیں۔ تاہم "کچھ اگلے زمانے والے" بزرگ آجاتے ہیں کہ فریضۂ نماز بھی ادا ہوگا اور سہولت سے کھانس بھی لیں گے۔ گھر میں بہو صبح صبح کھانسنے نہیں دیتی۔

نامور مزاح نگار ابن انشا نے اسلام پسند اور اسلام پرست کی تفریق سے دلچسپ نکتہ پیدا کیا ہے۔ بُت پرست آتش پرست اور سورج پرست تو ہم نے بھی سُن رکھے تھے۔ اسلام پرست کا اور اضافہ ہو گیا اور ہماری ایک تکلیف دہ ذہنی الجھن رفع ہو گئی۔

ہمارے ایک دوست قرآنی احکام کی پیروی کی خاطر نماز جمعہ کی اذان سُنتے ہی کاروبار بند کر کے مسجد کو چل پڑتے ہیں (فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ) نماز سے فراغت کے بعد فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ کا حکم لہٰذا گھر کے مصرف کی چیزیں خریدتے ہیں اُن کا یہ جذبہ بڑا قابلِ قدر ہے ایک دن ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ وعظ کے لئے کوئی مولانا باہر سے تشریف لائے ہوئے تھے موضوع سخن اسلامی آئین تھا۔ اور گذشتہ تمام حکومتوں کی خوب خبر لی گئی۔ قائل تو ہم پہلے ہی سے تھے۔ اب پختہ یقین ہو گیا کہ اگر آج اسلامی آئین تیار ہو جائے تو کل سے ہم پکے مسلمان ہوں گے۔ انشاءاللہ پورے بائیس برس ہو گئے اس انتظار میں کہ اسلامی آئین مرتب ہو تو ہم جھوٹ کو ترک کر کے سچ اختیار کریں۔ رشوت لینا اور دنیا چھوڑ دیں۔ مولانا نے انگریزی زبان کا تذکرہ بھی کیا جسے ابھی تک دفتری اور سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔

وعظ اس قدر مولی اور موثر تھا کہ ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہ سکے کہ واقعی اسلامی آئین کا نہ ہونا اور انگریزی زبان کا جاری و ساری رہنا تمام جملہ بیماریوں کا سبب ہے۔ اور چونکہ اِن دونوں باتوں کا تعلق حکومت سے ہے لہٰذا ہم مجبور ہیں جھوٹ بولنے پر، رشوت لینے پر اور اپنی نجی زندگی میں انگریزی بولنے پر، خیر ہم گذشتہ تمام حکومتوں پر لعنت بھیجتے ہوئے مسجد سے نکلے۔ ہمارے دوست کو حسبِ معمول گھر کے مصرف کی چیزیں خریدنا تھیں ہم بھی ہو لئے۔ مدینہ کریانہ مرچنٹ۔ مسلم جنرل اسٹور سٹی فروٹ شاپ لنڈن، ہیئر کٹنگ سیلون اور حاجی برادرز اینڈ کمپنی ہم دوکانوں کے نام پڑھتے رہے اور ہمارا دوست چیزیں خریدتا رہا۔ حجاز پیور گھی اسٹور پر پہنچے جہاں تاندلیاں والہ اور منٹگمری (ساہیوال) کا خالص گھی ملتا ہے۔ کنستروں کے کنستر خالص گھی کے تھے۔ دوکان کے مالک صوفی غلام رسول ابھی ابھی آکر بیٹھے تھے انہوں نے اپنے معمول کے مطابق نماز کے بعد درود و سلام میں شرکت کی تھی۔ ان سے گھی خریدا۔ تاندلیاں والا اور ساہیوال میں ضرور گھی کے کنویں ہوں گے۔ ساتھ ہی پیازو الا گندے پیاز کے اوپر اچھے پیاز بچھائے تھا۔ غرض سارا بازار اسلام پرستوں سے بھرا ہوا تھا۔ دوکاندار کم تولنے پر تلے ہوئے تھے اور گاہک لوٹ کھسوٹ کا روپیہ پانی کی طرح بہا رہے تھے۔

دل ہے مسلماں تیرا نہ میرا
میں بھی نمازی تو بھی نمازی

اسلام مسجد میں قید ہے یا پلیٹ فارم پر بطور چھتری استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اسلام پرست مسجد کا رُخ کرتے ہیں اور اسلام پسند پلیٹ فارم کی زینت ہیں۔ مسجد سے باہر اور پلیٹ فارم سے ہٹ کر ہمارا اور اسلام کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا۔ بے شک نماز ہر مسلمان پر فرض ہے مگر دن میں صرف پانچ مرتبہ اور مخصوص اوقات کے درمیان، اس کے برعکس راست بازی اور ایمان داری چوبیس گھنٹے فرض ہے نماز قضا ہو سکتی ہے۔ ایمان داری قضا نہیں کی جا سکتی۔

ذکر سنگ و خشت کی مسجدوں کا تھا۔ آں حضرتؐ نے مومن کے لئے روئے زمین کو مسجد قرار دیا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں "جب کسی قوم نے مسجدیں آراستہ کیں تو اس کے اعمال بگڑ گئے"۔ کسی نے سچ کہا ہے جب مسجدیں کچی تھیں تو ایمان پکے۔ اب مسجدیں پکی ہیں تو ایمان کچے۔

نمائندہ خصوصی

عوامی لیگ دوسری پارٹیوں سے متحدہ محاذ نہیں بنائے گی

"جماعتِ اسلامی کے "امیروں" کو تنخواہ کہاں سے ملتی ہے؟"

مشرقی پاکستان کے سیاسی حلقوں میں عوامی لیگ کے مرکزی کونسل کے اجلاس کے بارے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ عوام بھی منتظر تھے کہ دیکھیں مشرقی پاکستان میں سیاست کا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ بعض سیاسی مبصروں کو یہ امید تھی کہ صدر کے آئینی ڈھانچے پر عوامی لیگ کے اختلافات کھل کر سامنے آجائینگے اور بہت ممکن ہے کہ پارٹی کا وہ حلقہ جو نوجوان طبقے کی نمائندگی کرتا رہا ہے "انتخاب" کی بجائے "تحریک" کا نعرہ لگا کر پارٹی کی اعلیٰ قیادت پر چھا جائے۔

لیکن کونسل کے اجلاس اور مرکزی مجلس عاملہ کے جلسے کے بعد یہ تمام قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ عوامی لیگ اندرونی طور پر اختلافات کا شکار نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ، اس کونسل کے اجلاس کے بعد اب اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ پارٹی کے اندر انتخاب اور تحریک کی کش مکش جاری تھی البتہ اس رسہ کشی میں اس گروپ کو کامیابی حاصل ہوئی ہے ـــ جو "ہر قیمت" پر انتخاب میں حصہ لینے کا حامی ہے۔ چنانچہ کونسل کے اجلاس کے بعد عوامی لیگ کا یہ موقف اختیار کرنا کہ وہ چھ نکات کے سوال پر "ریفرنڈم" میں حصہ لے رہی ہے۔ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ صدر یحییٰ کے آئینی ڈھانچے کو رد یا قبول کرنے کے سوال پر پارٹی کے اندر اختلافات اب بھی موجود ہیں۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ سردست عوامی لیگ نے اس بحران پر قابو کیا ہے۔ جس سے یہ پارٹی اندرونی طور پر دوچار تھی۔

انتخابات اور یوم شہید

پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کے انتخاب میں شیخ صاحب اور ان کے دست راست جناب قمر الزماں دوبارہ صدر اور سیکرٹری منتخب ہو گئے ہیں۔ پارٹیوں کے تینوں نائب صدر، جناب قاضی فیض محمد ماسٹر خان گل اور جناب برکت سلیمی مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور تینوں بنیادی اور فکری طور پر شیخ صاحب کے اس مؤقف کے حامی ہیں کہ انتخاب میں حصہ لینا چاہیئے۔ جناب خندکار مشتاق احمد کو مرکزی مجلس عاملہ میں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا ہے۔ جناب مشتاق احمد کا تعلق اس گروپ سے ہے جو انتخاب کی بجائے "تحریک" کا حامی تھا۔ البتہ صوبائی مجلس عاملہ میں وہ اب بھی نائب صدر کے عہدہ کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ جناب شیخ مجیب الرحمن مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے بھی دوبارہ صدر منتخب ہوئے ہیں

عوامی لیگ کونسل اجلاس کے بعد اب یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ شیخ صاحب ملک کے آئندہ دستور ساز اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب میں کسی دوسری پارٹی کے ساتھ متحدہ محاذ نہیں بنائینگے۔ وہ اب بھی اپنے اس مؤقف پر قائم ہیں کہ اتحاد کے لئے "پارٹی کا سائن بورڈ" بدلنا ضروری

شیخ مجیب الرحمن

ہے۔ شیخ صاحب کے اس واضح اعلان کے بعد مشرقی پاکستان میں نیشنل عوامی پارٹی (ولی خان گروپ) کا آئندہ رویہ کیا ہو گا۔ اس کے بارے میں نیپ کی مجلس عاملہ کے اجلاس ڈھاکہ (۱۲ جون) کے بعد ہی صحیح بات معلوم ہو گی۔

عوامی لیگ کی کونسل کا یہ اجلاس ایسے موقع پر منعقد کیا گیا جب کہ ۷ جون ۱۹۶۶ء کو شہید ہونے والے عوامی لیگی کارکنوں کی یاد منائے جانے والی تھی۔ اس تاریخ کو عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب اور دوسرے عوامی لیگی ورکروں کی گرفتاری کے خلاف یوم احتجاج منانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت کے گورنر جناب عبدالمنعم خاں نے اس یوم احتجاج کو ناکام بنانے کے لئے بذات خود ڈھاکہ کے شہریوں سے اپیل کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ۷ جون ۱۹۶۶ء کو پورے صوبے میں ہڑتال ہوئی۔ ہڑتال کو ختم کرنے کے لئے منعم خاں نے طاقت کا استعمال کیا اور اس طرح پولیس اور مظاہرین کے تصادم میں ڈھاکہ اور نرائن گنج میں ۱۳ افراد فائرنگ سے ہلاک ہو گئے۔

۱۹۶۶ء کے بعد ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں بھی عوامی لیگ نے ۷ جون کو "یوم چھ نکات" منایا مگر شیخ صاحب ان دونوں موقعوں پر جیل میں رہنے کے سبب عوام سے خطاب نہیں کر سکے ۱۹۶۹ء میں وہ اگرتلہ سازش مقدمے سے رہائی پا چکے تھے۔ مگر ۷ جون کو مارشل لا کے ضابطوں کی وجہ سے عوامی جلسہ منعقد نہیں ہو سکا۔ چار سال بعد چھ نکات کے موضوع پر براہ راست عوام سے گفتگو کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ جو شیخ صاحب کو حاصل ہوا تھا۔

ریس کورس میدان میں

شیخ صاحب ۷ جون ہی سے اپنی "انتخابی مہم" کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کونسل کے اجلاس کے لئے ۷ جون سے قبل کی تاریخ مقرر کی گئی تھی۔ ۶ جون کو عوامی لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اور ۷ جون کو شیخ صاحب نے ڈھاکہ ریس کورس میں اپنی انتخابی مہم شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔

ڈھاکہ کے ریس کورس میدان میں وہ اگرتلہ سازش مقدمے کی رہائی کے بعد پانچ لاکھ کے اجتماع سے خطاب کر چکے تھے جس میں انہوں نے ایوب خاں کے "گول میز" پر بیٹھنے کا اہم اعلان کیا تھا، ۷ جون کو ایک بار پھر انہوں نے تمام "شکوک و شبہات" کو دور کرتے ہوئے انتخاب میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ عام خیال یہ تھا کہ شیخ صاحب اس اجتماع میں اپنا وہ پارٹی منشور پیش کرینگے جسے وہ مرکزی کونسل کے اجلاس میں منظور کرا چکے ہیں۔ لیکن عوامی لیگ کے قائد نے "موسمی حالات" کے پیش نظر اپنی تقریر میں ملک کی موجودہ سیاسی صورت حال پر زیادہ روشنی ڈالی۔

ریس کورس کا یہ جلسہ عام بلاشبہ ڈھاکہ کی تاریخ میں

چند بڑے اجتماعوں میں سے ایک تھا۔ شدید بارش کے باوجود بھی لوگ دور دراز علاقوں سے اِس جلسہ عام میں شریک ہوئے تھے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اِس جلسے میں کم وبیش ۳ لاکھ افراد جمع تھے۔ جو موسلا دھار بارش میں بھی شیخ صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ اِس جلسہ عام میں گرچہ مغربی پاکستان کے ۴۰ مندوبین بھی شریک تھے (جن میں سات خواتین بھی شامل تھیں) لیکن اِس کے باوجود جلسہ عام کے واحد مقرر شیخ مجیب الرحمٰن ہی تھے۔

شیخ مجیب الرحمن نے اپنی تقریر کا آغاز ان ۸۴ شہیدوں کی فہرست پڑھ کر کیا جو ۱۹۶۶ء سے اب تک عوامی جدوجہد میں ہلاک ہوئے ہیں۔ ان شہیدوں میں ایک نام کراچی کے ایک طالب علم کا بھی تھا۔ اِس کے علاوہ تین خواتین بھی فہرست میں شامل تھیں۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ مغربی پاکستان کے

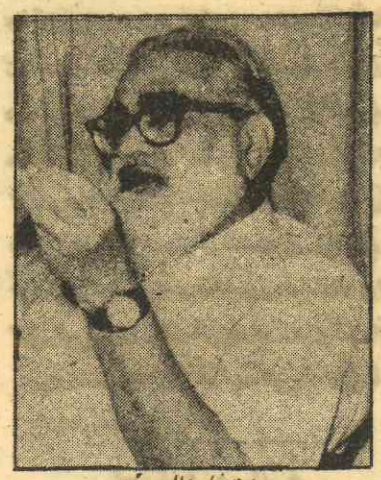

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

شہیدوں کی فہرست انہیں اب تک نہیں ملی ہے۔ ان شہیدوں کے علاوہ سیکڑوں افراد ایسے بھی تھے۔ جن کے نام فہرست میں شامل نہیں ہوسکے تھے۔ شیخ مجیب الرحمن نے ان تمام گمنام شہیدوں کو بھی خراج عقیدت پیش کیا اور اُن کی مغفرت کے لئے دعا مانگی۔ اِس کے بعد انہوں نے باقاعدہ اپنی تقریر کا آغاز کیا۔

اپنی انتخابی مہم کا اعلان کرتے ہوئے عوامی لیگ کے قائد نے کہا کہ وہ اِس انتخاب میں چھ نکاتی پروگرام پر "ریفرنڈم" کے طور پر حصہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے یہ اہم اعلان بھی کیا کہ عوامی لیگ چوتھے پنج سالہ منصوبے کو تسلیم نہیں کرتی اور اگر وہ برسر اقتدار آگئی تو نیا منصوبہ بنائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اِس چوتھے پنج سالہ منصوبے میں جسے موجودہ عبوری حکومت کو بنانے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے۔

شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے دوران نواب زادہ نصر اللہ خاں عبدالقیوم خان، جناب نورالامین، جناب عبدالسلام، جناب عطاء الرحمٰن خاں، مولانا مودودی اور پروفیسر غلام اعظم پر بھی سخت تنقید کی۔ ایک موقع پر انہوں نے سامعین سے سوال کیا:

راج شاہی جیل پر کس نے گولی چلائی تھی؟

مجمع نے جواب دیا "نورالامین نے"

شیخ صاحب نے پھر پوچھا "لسانی تحریک کے زمانے میں طالب علموں کو کس نے قتل کروایا تھا؟"۔

جلسے میں شور بلند ہوا۔ "نورالامین نے"

شیخ صاحب نے کہا کہ آپ لوگ ان "میر جعفروں" کو اچھی طرح پہچان لیں جو شہیدوں کے خون سے ایک بار پھر مذاق کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔

انہوں نے مولانا مودودی کا نام لے کر کہا کہ "تحریک پاکستان کی مخالفت آپ نے کی تھی جب کہ ہم پاکستان کے حصول کی جنگ میں پیش پیش تھے۔ مگر آج آپ اسلام اور پاکستان کے "ٹھیکیدار" بن گئے ہیں۔ اور ہم ملک کے دشمن ٹھہرے"۔

انہوں نے اپنی گرجدار آواز میں کہا کہ بنگال کے عوام کو اب زیادہ دنوں تک بے وقوف نہیں بنایا جاسکتا۔ ہم اپنی اقتصادی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور اب یہاں اسلام خطرے میں ہے کا نعرہ لگا کر ہماری تحریک کو نقصان پہونچانے کی کوشش ختم ہو جانی چاہیئے۔ انہوں نے کہا میں ان لوگوں کو ہوشیار کرنا چاہتا ہوں جو آگ سے کھیل رہے ہیں۔ شیخ صاحب نے مولانا مودودی پر اپنی تنقید جاری رکھتے ہوئے کہا کہ

مولانا مودودی کا اسلام سمجھ میں نہیں آیا!

"مولانا صاحب کا اسلام آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکا۔ جب ہم نے مخلوط انتخاب کے لئے آواز بلند کی۔ تو آپ نے فتویٰ دے دیا کہ اسلام خطرے میں ہے اور مخلوط انتخاب سے پاکستان ختم ہو جائیگا۔ مگر جب مادر ملت نے صدارتی انتخاب میں حصہ لیا تو آپ کی جماعت عوامی لیگ کے ساتھ مل گئی اور مخلوط انتخاب بھی جائز ہو گیا۔"

شیخ صاحب نے کہا کہ جماعت اسلامی کے کردار سے اب پاکستان کے تمام لوگ اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں یہ لوگ عوامی لیگ پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ لیکن اِس طرح کرتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی؟ کیا یہ نہیں جانتے کہ عوامی لیگ جب برسر اقتدار آئی تھی تو ۱۸ لاکھ خرچ کر کے اُس نے مشرقی پاکستان کے صوبائی دارالحکومت میں "مدرسہ عالیہ" قائم کیا تھا جو آج بھی ایک اسلامی درس گاہ ہے۔ اِس کے برعکس جماعت اسلامی کا کردار یہ ہے کہ یہ یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کو ملنے والی زکوٰۃ، خطرہ چرم قربانی کی رقم بھی مار کر لے جاتی ہے۔ اور اُس سے اپنا سیاسی پروپگنڈہ کرتی ہے۔ کیا یہی اسلام کا سبق ہے جو یہ جماعت ہمیں پڑھانا چاہتی ہے۔

شیخ صاحب نے کہا کہ آج عوامی لیگ ایک ہفت روزہ اخبار بھی نکالنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ لیکن جماعت اسلامی ایک مختصر عرصے میں ملک کے گیارہ اخبارات کی مالک بن بیٹھی ہے یا اُس پر قابض ہو گئی ہے۔ آخر اس جماعت کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی ہے؟

شیخ صاحب نے پروفیسر غلام اعظم امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان سے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ قسم کھا سکتے ہیں کہ ہر ماہ آپ لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی ہے اور کیا آپ قسم کھا کر یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ رقم آپ کو کہاں سے ملتی ہے؟

بھاشانی ہمارے بزرگ ہیں

شیخ صاحب نے مولانا بھاشانی کے بارے میں اپنی تقریر میں مختصر سا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں مولانا بھاشانی سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ انتشار نہ پھیلائیں۔ اور انتخاب میں حصہ لیں۔ اِس سے زیادہ میں اُن سے کچھ نہیں کہنا چاہتا کیوں کہ وہ ہمارے بزرگ ہیں۔

انہوں نے سرمایہ داروں کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ عوام بالخصوص محنت کشوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی پالیسی ترک کر دیں آپ لوگوں نے ماضی میں ملک کی سیاسی اور معاشی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھنے کیلئے فرقہ وارانہ فسادات کرائے ہیں۔ لیکن اب اس قسم کی مزید کوشش مت کریں۔

مسٹر نورالامین

شیخ صاحب نے مہاجروں سے بھی کہا کہ وہ اب اپنے آپکو مہاجر کہنا چھوڑ دیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ بھی بنگالی ہیں۔ اور ہمارے بھائی ہیں۔ ہم بھی آپ کے بھائی ہیں۔

جلسے میں شیخ صاحب نے جیئے پنجاب، جیئے سندھ، جیئے بلوچستان جیئے سرحد اور جیئے پاکستان کے نعرے بھی لگائے انہوں نے مغربی پاکستان کے عوام سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ لوگ جاگیرداروں، سرمایہ داروں، نواب زادوں اور صاحب زادوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ بنگالی عوام آپ کے ساتھ آپ کی جدوجہد میں شریک ہوں گے۔

غزل

فارغ بخاری

لہو اُبل کے بہاروں میں رنگ بھرنے لگا
اُفق کی کوکھ سے سورج نیا ابھرنے لگا

جنوں فروش نظارو! یہ کیسا موسم ہے
کہ قاتل اپنے ہی سائے سے آج ڈرنے لگا

غم و نشاط کے میلے لگے ہیں سینوں میں
اک عہد پیدا ہوا ہے اک عہد مرنے لگا

جنوں فزا ہوئی پھر سنگ باریٔ طفلاں!
بدن سے شیشے کا ہر پیرہن اترنے لگا

عبث ہے کل کیلئے تم کو پتھروں کی تلاش
جو دل پہ زخم لگا ہے کب آج بھرنے لگا

کسی کو آئینہ خانوں میں کیا پناہ ملے!
اجل کی راہ سے ہر قافلہ گزرنے لگا

گلوں کی سیج کو قدموں سے روند کر فارغ
زمانہ حال کے کانٹوں پہ پاؤں دھرنے لگا

امجد اسلام امجد

الفتح کا گیت

یروشلم یروشلم
تری ہی سمت جائے گا، اُٹھے گا جو بھی اب قدم!
لکھے گا خونِ گرم سے ترا ہی نام ہر قلم
مریں گے تیرے واسطے ترے لئے جئیں گے ہم
یروشلم یروشلم

پکارتے ہیں ہر گھڑی، ترے جلے ہوئے چمن!
ہمارے جسم و جاں میں ہے تری ہی آگ شعلہ زن
تری ہوا سے اُڑ گئی ہماری خوشبوئے بدن
ہیں آج تیری خاک پر غیر کے سیہ قدم
یروشلم یروشلم

قسم خدائے پاک کی ہے جب تلک بدن میں جاں
ہم اپنے خون سے لکھیں گے حریت کی داستاں
ہے اہلِ دل کا قافلہ تری طرف رواں دواں
لہو سے ہم نے رنگ لیا ہے دیکھ آج ہر علم
یروشلم، تری قسم، رُکیں گے اب نہ یہ قدم
یروشلم یروشلم

نذرِ الاسلام

کی نذر

محسن بھوپالی

شاعر شعلہ نفس، شعلہ بیاں، شعلہ رقم
تیری فکرِ مضطرب، پیہم رواں، ہر دم جواں
تیرا اک اک شعر ہے، تیغ برہنہ کی طرح
صورِ اسرافیل ہے، تیرا کلامِ جاوداں

○

شب زدوں کی سرزمیں شاہد ہے اے عیسیٰ نفس
تو نے سازِ مرگ چھیڑا زندگی گانے لگی!
جاں بلب انسانیت نے اٹھ کے پھر انگڑائی لی
وادی و کہسار سے "قم" کی صدا آنے لگی

سحرِ افرنگ و طلسمِ اہلِ زر کو توڑ کر
تیرے نغماتِ بغاوت ذہن و دل پر چھا گئے
جبر کے مارے ہوئے صدیوں کے پابستہ غلام
کنجِ زنداں سے چلے دار و رسن تک آ گئے

○

ناز کر اپنے سکوتِ لب پہ اے آتش نوا
خامشی سرمایۂ اہلِ سخن ہے ان دنوں!
جہل کے ہاتھوں میں گیسوئے عروسِ علم ہیں
جبر کی زد میں نگارِ فکر و فن ہے ان دنوں!

○

○

نکہت بریلوی

آدمی

○

مجھے کیا
کسی خوف و دہشت سے طوفان و غم سے
میں خود ایک طوفان ہوں
خوف ہوں
دہشتِ بے اماں ہوں
مجھے کیا ڈرائے گی رنج و محن کی دہکتی ہوئی آگ
ظلم و تشدد کا دریا
میں خود ایک بھٹی ہوں احساس کی
اپنے جذبات کی
اک سمندر ہوں اور اک کا بیکراں
آگ بجھ جائے گی
سارے رنج و محن کی دہکتی ہوئی آگ بجھ جائے گی
اور ظلم و تشدد کا دریا بہا تو
مری کنجِ آغوش میں
قطرہ قطرہ سمٹ کر سما جائے گا۔

سکرنڈ (نواب شاہ) میں ۲۱ اور ۲۲ جون کو ہاری اور کسان کارکنوں کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ یہ خاص سپلیمنٹ، جس میں سندھ کے مخصوص حالات کی روشنی میں ہاریوں کے مسائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس موقع پر قارئین کی رہنمائی کے لئے اُن کے پیشِ خدمت ہے۔

ہاری، قوم کی سب سے بڑی پیداواری قوت ہیں

پاکستان کی ۵۸ فیصد آبادی دیہات میں رہتی ہے اور براہِ راست یا بالواسطہ زراعت سے وابستہ ہے۔ سندھ کا اقتصادی محور بھی زرعی بنیاد پر قائم ہے جس کا مرکز نقل ارضِ نیل کے فلاحین کی طرح ہاری ہے۔ وادیٔ مہران کا ہاری زمینوں میں ہل چلاتا ہے۔ بیج بوتا ہے شدید گرم اور سرد موسموں میں پودوں کی دیکھ بھال اور آبیاری کرتا ہے۔ مویشی پالتا ہے۔ سبزی، چاول، گندم، کپاس اور گنّے کی ہری بھری فصل پیدا کر کے نہ صرف قوم کا پیٹ پالتا ہے بلکہ تجارت و صنعت چلانے کے لئے خام اشیاء فراہم کرتا ہے اور برآمدی اجناس کی پیداوار سے پاکستان کو زرِ مبادلہ کما کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ زمیندار کی زمینوں پر بیگار کرتا ہے اور پھر اس محنتِ شاقہ کے بعد زمیندار کو اپنے خون اور پسینے کی کمائی کا نصف دے دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے لئے جو قرض لیتا ہے اُس کا بھاری سود ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری عمّال مثلاً مختیار کار، منشی، ٹپہ دار، آبدار اور پولیس والوں کو رسائی دیتا ہے۔ پھر بھی جو کچھ باقی بچتا ہے اس میں سے پیروں، فقیروں کو نذر نیاز چڑھاتا ہے۔ گویا سندھ کے دوسرے طبقات زمیندار، ساہوکار، سرکاری عمّال، کارندے، گماشتے اور پیر فقیر وغیرہ اپنی معاشی خوشحالی کے لئے مصروفِ کشمکش ہاری کے ممنون ہیں۔ وہ ہاری کے خون سے ہی خود کو تر و تازہ، توانا اور تندرست رکھتے ہیں۔

جبری استحصال کا یہ سلسلہ ان گنت صدیوں سے جاری ہے۔ ہاری ہزاروں سال سے جاگیرداروں، زمینداروں اور ان کے حواریوں کے گھیراؤ میں ہے۔ اسکی سماجی اور معاشی

مصنف: احمد الطاف

کمسٹن مختلف ادوار میں اسی رہی جو آج ہے۔ ہاری یہی مسئلہ کے ہنوز پیچیدہ بلکہ ہاری کی زبوں حالی سندھ کے بعض طبقات کی معاشی و سیاسی اجارہ داری کا سبب بن گئی۔

سندھ کے ہاری کی اس معاشی کسمپرسی اور بدحالی نے مختلف مسائل کو جنم دیا۔ غربت نے جہالت کو اور جہالت نے صحیح شعور کو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاری اپنی خارجی اور داخلی پسماندگی کی وجوہات کا مشترکہ کے مرتکبوں میں وقت کا ساتھ نہ دے سکا۔ اس کے رہنما ذات اور کھیتی باڑی کے خطابتے وہی، جو ہزاروں سال پہلے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ایک عرصہ تک سندھ کی زراعتی پیداوار جامد ہو کر رہ گئیں جب کہ ضروریاتِ زندگی پہلے سے بھی بڑھ گئیں اور روزمرّہ کی اشیاء کی قیمتوں میں ناقابلِ برداشت اضافہ ہو گیا۔ اس غیر انسانی اور غیر منصفانہ استحصالی نظام نے ہاری کی کمر توڑ دی۔ فطرتاً اس نوٹ کھسوٹ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہاری کی زمینوں سے دلچسپی اور وفاداری گھٹتی گئی کیونکہ صدیوں کے نسل در نسل تجربہ نے ہاری کو احساس کرا دیا تھا کہ وہ کتنی ہی شبانہ روز مشقت کیوں نہ کرے جاگیردار، زمیندار اور ان کے کارندے بہت اُس فصل سے وہ حصہ حاصل نہ کرنے دیں گے جو کہ اس کا پیدائشی حق ہے۔

ہاری اور سیاسی وڈیرے

ہاری کو معلوم ہے کہ اس کی معاشی جدوجہد زمیندار کے مفادات سے متصادم ہے۔ وڈیروں نے ہاری تحریک کے نمائندوں کو کبھی دل سے اور اعتماد نہیں کیا اور اپنی تجربی ریشہ دوانیوں سے سندھ کی عملی سیاست میں نمایاں مقام حاصل کرنے نہیں دیا۔ کیونکہ طبقاتی جدوجہد میں ہاری لیڈر سیاسی وڈیروں کے برابر سے نہ مقابل تھے۔

اس بیان کی تائید شیخ مجیب الرحمٰن کی انتخابی کنونشن میں ان کی موقف کے اس وقت ہوئی ہے۔ جب مسٹر جی ایم سید اور ان کے ہمنواؤں نے پاکستان کی مجلس عاملہ میں ہاری نمائندوں کو رکنیت دینے کی تجویز کی مخالفت

کی۔ بلکہ یہ مطالبہ کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کی دھمکی بھی دی۔ ڈھاکہ میں باشعور سیاسی کارکنوں کو یہ احساس ہوا کہ ان سیاسی اجارہ داروں کے عوامی نعروں میں کتنی صداقت ہے۔ اور کس طرح یہ عوامی نمائندوں کا روپ دھار کر عوام کو بیوقوف بناتے ہیں (واضح ہو کہ مسٹر جی ایم سید کئی برس پہلے عملی سیاست سے ریٹائر

بڑے زمینداروں نے ٹریکٹر استعمال کرنا شروع کر دیا، لیکن ہاری ابھی تک جانور کی طرح محنت کرتا ہے۔

ہونے کا اعلان کر چکے تھے۔ اور موصوف کا نیشنل عوامی پارٹی سے عرصہ گذرا کوئی تعلق نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی جو سوشلزم کی مخالفت میں زمین آسمان کے قلابے ملا کر واویلا مچاتی ہے، مسٹر جی ایم سید اور اُن کی سندھ یونائٹڈ فرنٹ کے خلاف زبان کھولنے کو گناہ تصوّر کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ سندھ کے تمام باشعور سیاسی کارکن، رجعت پسند وڈیروں کے اس گٹھ جوڑ سے یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں)

ہاری تحقیقاتی کمیٹی

قیام پاکستان سے قبل، سندھ کے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے قائداعظم نے آٹھ نکاتی پروگرام تیار کیا تھا تاکہ سندھ کی مسلم لیگی وزارت اس ضمن میں عملی اقدامات کرے۔ واضح رہے کہ کچھ عرصہ پہلے سندھ ہاری کمیٹی، ہاری حقدار اور ادھ بٹائی کی سندھ گیر تحریک زور و شور سے چلا چکی تھی جس سے سندھ کے ہاریوں میں طبقاتی احساس پیدا ہوا تھا۔

مارچ ۴۶ء میں سندھ اسمبلی نے ایک ہاری تحقیقاتی کمیٹی قائم کی۔ حکومت کے اعزازی مشیر زراعت اور سندھ کے ایک زمیندار سر راجہ تھامس کو چیئرمین مقرر کیا گیا۔ پبلک سروس کمیشن کے مسٹر صدیقی اور اس وقت نواب شاہ کے کلکٹر مسٹر مسعود آئی سی ایس کو کمیٹی کے ارکان بنایا گیا۔ اکتوبر ۴۶ء میں حکومت سندھ نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر لاڑکانہ کے ایک بڑے زمیندار اور اعلیٰ سرکاری عہدیدار مسٹر کھہر کو تحقیقاتی کمیٹی کا چوتھا رکن نامزد کر دیا۔

مذکورہ کمیٹی کے تین ممبروں نے فروری ۴۷ء میں اپنی رپورٹ پیش کی جس میں زمینداری نظام کی حمایت کرتے ہوئے ہاریوں کو کچھ قانونی تحفظات اور برائے نام مراعات دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ اس یکطرفہ رپورٹ سے مسعود متفق نہیں ہوئے۔ بلکہ انہوں نے ایک اختلافی نوٹ (NOTE OF DISSENT) پیش کیا جسے ۲۲ دسمبر ۴۷ء کو حکومت نے ایک پریس نوٹ کے ذریعہ ضبط کر کے اس کی اشاعت پر پابندی عاید کر دی۔

حکومت سندھ کے اس غیر جمہوری فیصلہ کے خلاف ملک گیر احتجاج اور مظاہرہ ہوا۔ ذیل میں ہم قومی اخبارات سے چند تراشے پیش کرتے ہیں۔

"کمیٹی کے تیسرے رکن مسٹر مسعود کا اختلافی نوٹ اسلامی تاریخ اور روایات سے مملو ہے، سندھ کے زراعتی حالات کے مطالعہ اور مغربی ممالک میں اصلاحات کے تجزیے کے بعد اس میں زمین کو مکمل طور پر تقسیم کی سفارش کی گئی ہے۔ ہاری تحقیقاتی کمیٹی پر جو وقت اور دولت صرف کی گئی اگر اس کا کوئی جواز ہے تو وہ یہ اقلیتی رپورٹ ہے۔"

(پاکستان ٹائمز - اداریہ - ۲۱ مئی ۴۸ء)

"حکومت سندھ نے ایک رکن کا اختلافی نوٹ روک لیا ہے۔ بیشتر لوگ حکومت سندھ کے اس فعل سے یہ تاثر لیں گے کہ اختلافی نوٹ میں ایسا مواد تھا جسے سندھ کی وزارت عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہے۔"

(ڈان اداریہ - ۲۴ دسمبر ۴۸ء)

"ہاری تحقیقاتی رپورٹ سے متعلق اختلافی ضمیمہ کی اشاعت سے حکومت کے انحراف پر سندھ میں عوام کا احتجاج قطعی جائز ہے۔ اختلافی نوٹ بڑے زمینداروں کے لئے خواہ کتنا ہی ناقابلِ قبول ہو۔ پھر بھی درحقیقت وہ رپورٹ کا ایک جزو ہے اور اس کو دبانا انتہائی ناروا تصور کیا جائے گا۔" (پاکستان ٹائمز - اداریہ سے اقتباس)

ہاری رپورٹ اور پیر راشدی

مغربی پاکستان کے اردو اور سندھی اخبارات نے بھی مسعود ہاری رپورٹ کی اشاعت پر زور دیتے ہوئے درجنوں خبریں، عوامی قراردادیں اور اداریے شائع کئے۔

اسی دوران جب کہ ضبط شدہ ہاری رپورٹ کی اشاعت پر سے پابندی ہٹانے کی ملک گیر عوامی تحریک چل رہی تھی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے ایک پمفلٹ جاری کیا جس میں مسعود رپورٹ کے خلاف فتویٰ صادر کیا گیا تھا۔ اس فتویٰ پر دیگر ۱۶ علماء کے بھی دستخط ثبت تھے یہی نہیں بلکہ مظلوم ہاریوں کے حامی مسٹر مسعود کے خلاف الزام تراشی کرتے ہوئے منظم تحریک چلائی گئی۔

پیر علی محمد راشدی کے زیر ادارت سندھ آبزرور نے ۲۱ جون ۴۶ء کی اشاعت میں تحریر کیا۔

"مسٹر مسعود نے بیّنہ طور پر ہاریوں کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ (ہاری) زمیندار سے لئے ہوئے قرض کی مد میں گندم بالکل نہ دیں۔ مزید الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ ہاریوں کے مطالبات تسلیم کرانے کے لئے زمینداروں کو خوفزدہ کر رہے ہیں۔"

ازاں بعد سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سندھ آبزرور کی ۱۱ / ۱۲ اکتوبر ۴۶ء کی اشاعتوں میں صفحہ اوّل پر کئی کالمی سرخیاں اور دو کالمی اداریہ شائع کیا گیا۔ جس میں مسٹر مسعود کو انڈین سول سروس سے علیحدہ کر دینے کا مطالبہ کیا گیا۔

رپورٹ شائع ہو گئی

عوامی مظاہروں سے مجبور ہو کر آخر ۲۰ جون ۴۹ء کو حکومت سندھ نے مسٹر مسعود کے اختلافی نوٹ پر سے پابندی ہٹالی۔ آئیے ہم اس تاریخی دستاویز کی روشنی میں ان حقائق کا جائزہ لیں۔ جو مسٹر مسعود نے ہاری تحقیقاتی رپورٹ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے مشہور نوٹ میں تحریر کئے۔

"اگرچہ وہ پالتو جانوروں کی مانند ہیں مگر وہ نوع انسان ہیں، البتہ انہیں نہ تو انسانی حقوق حاصل ہیں اور نہ قابلِ فہم مراعات۔ یہ سندھ کے ہاری ہیں جو آبادی کی عظیم

اکثریت ہیں۔ جو زمین پر کاشت کر کے سندھ کو پاکستان کے کھلیان کا ممتاز نام عطا کرتے ہیں۔"

"سندھ کے ہاری غلاموں سے بہتر نہیں۔ وہ انتہائی فرسودہ حالات میں زندگی گزارتے ہیں۔ وہ سماجی، سیاسی اور معاشی حقوق کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ انہیں زندگی سے صرف ایک دلچسپی ہے۔ آزوقۂ حیات۔ تاکہ اُن کے جسم و روح میں ہم آہنگی رہے۔ زندگی کی کوئی دوسری دلچسپی اُن کے لئے کشش نہیں رکھتی کیونکہ زندگی کے بنیادی مسائل کا حل انہیں میسر نہیں۔ اُن کی معاشرت منظم نہیں ہے اور وہ ایک دوسرے سے دور جھونپڑیوں یا کچے گھروندوں میں منتشر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہت سے ہاری مویشیوں کے باڑے میں ہی رہنے پر مجبور ہیں۔ ان کی ذاتی ملکیت ایک دو چارپائی۔ دھات یا مٹی کے چند برتن کچھ پھٹے پرانے کپڑے اور شاذ و نادر کاٹھ کے صندوق پر مشتمل ہے۔"

ہاری، ایک بے بس غلام

"ہاری جو کئی نسلوں سے ایک قطعۂ اراضی پر کاشت کرتا چلا آرہا ہے یہ نہیں جانتا کہ اسے وہاں کب تک رہنے کی اجازت ہوگی۔ ہاری ہمیشہ خوف زدہ رہتا ہے۔ ڈر قید کر دیئے جانے کا۔ ڈر اپنی زمین اور زن چھن جانے کا اور اپنی جان کا کہ نہ معلوم کب قتل کر دیا جائے۔ زمیندار کسی بھی وقت ناراض ہو کر اسے بے دخل کر سکتا ہے۔ اسے اس کے مویشی اور کھڑی فصل سے کسی بھی لمحہ محروم کیا جا سکتا ہے اُسے کسی بھی وقت مار پیٹ کر گاؤں سے نکالا جا سکتا ہے اُسے چوری، ڈکیتی یا قتل کے مقدمے میں پھانس کر ہتھکڑی باندھ کر پولیس کی حوالات میں ڈالا جا سکتا ہے اور تعزیرات کی دفعہ ۱۱۰ میں پھانسنا تو آئے دن کا معمول ہے۔ ہاری کو یقین ہے کہ زمیندار اپنے ہم پیالہ و ہم نوالہ سرکاری عمال کے ذریعہ جب چاہے اسے جیل میں بند کرا سکتا ہے اسے دوسرے ہاریوں کا حشر معلوم ہے کہ وہ کس طرح عذاب میں مبتلا کر کے تنگ و تار قید خانوں میں محبوس کئے گئے اور سزا کی میعاد سے زیادہ مدت تو محض زیر سماعت مقدمے کے دوران بھگت چکے ہیں۔ کیونکہ بیکسوں کا ضمانت دینے والا بھی کوئی نہیں۔

"ہاری جہنم کی ایذا سے زیادہ زمیندار کی سزا سے ڈرتا ہے کیونکہ زمیندار خفا ہو کر درخت سے الٹا لٹکا کر مارنے کا عادی ہے۔ یہاں تک کہ ہاری بیہوش ہو جاتا ہے مثل مشہور ہے کہ زبردست مارے اور رونے بھی نہ دے۔ بے چارا ہاری زمیندار کے خلاف رپورٹ درج کرانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ زمیندار کے سفاکانہ زد و کوب سے اکثر ہاری دم توڑ دیتے ہیں۔ اس کی بوڑھی ماں صدمہ سے پاگل ہو جاتی ہے لیکن زمیندار کے کرّ و فر میں فرق نہیں آتا۔ زمیندار کے خلاف قتل کے باوجود قابلِ ضمانت وارنٹ جاری ہوتا ہے۔

زمیندار کے رُوبرو ہاری ایک بے بس غلام کی مانند ہے۔ یہاں ہاری کا جھک کر زمیندار کے پاؤں چھونا عام رواج ہے اور یہ کوئی محبت و عقیدت کے جذبے سے نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ وہ زمیندار کی حقیر رعیت ہیں اور اس کی بادشاہی میں رہتے ہیں۔

مولوی، پیر اور پولیس

مسٹر مسعود رقمطراز ہیں کہ "انہوں نے ایک بھی ہاری ایسا نہیں دیکھا جو زمیندار کے سامنے سیدھا کھڑا ہو کر خودداری کے ساتھ سلام کہہ سکے۔" یہ ہے انسان کا سلوک دوسرے انسان کے ساتھ۔" اسلام نے خدا کی عظمت

ایک ہاری کھیت میں کام کر رہا ہے،

کی تعلیم دی ہے اور غیر اللہ کے سامنے جھکنے کی منادی کی ہے۔ لیکن جب اسلامی اخوت اور مساوات پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو وہی زمیندار جس نے اسلام کے نام پر زمین کے تمام وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے، رزاقِ عالم کے ہوتے ہوئے ہاری کو بھوک سے مار ڈالنے پر قادر ہے۔ مجبوراً ہاری کے محکوم ذہن سے اسلامی نصب العین کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ اور وہ قادرِ مطلق کی عظمت یک قلم فراموش کر کے زمیندار کے قدموں پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔" نتیجتاً اسلام کا عطا کردہ انسانی مساوات کا نظریہ اس کے ذہن میں ایک کہانی سے زیادہ نہیں۔ کیونکہ کوئی ہاری زمیندار کے برابر یا سامنے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کرسی یا چارپائی تو درکنار کسی درخت کے سائے یا ریت اور اینٹ پر بیٹھ سکتا ہے اور نہ ہی ننگی زمین پر۔ اگر کوئی گستاخ ہاری ایسا کر بیٹھے تو فوراً اسے مورونی زمین سے بے دخل کر دیا جائے۔"

"زمیندار کے حلقۂ احباب میں شامل مولوی اور پیر اسے تقدیر پر قانع رہنے کی تعلیم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خالق کی مرضی یہی ہے جس نے تمہیں بنایا اور یہ کہ خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں کیں۔ اس طرح ہاری تقدیر پرست بن کر کسی طویل المیعاد قیدی کی طرح زبردستی کی تھوپی ہوئی قناعت کی زندگی کاٹتا چلا آرہا ہے بے رحم حالات نے اسے سمجھوتہ پر مجبور کر دیا ہے۔ صدیوں کی محکومی نے ہاری میں شدید احساس کمتری پیدا کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ حکومت کے ادنیٰ عمال اور درجہ چہارم کے ملازمین سے بھی ڈر جاتا ہے۔ پولیس کا سپاہی پٹّہ دار اور پٹّہ والا تک بے خوف ہو کر ہاری کو نہ صرف توہین آمیز گالی دے سکتا ہے بلکہ مار پیٹ بھی سکتا ہے۔"

"سندھ کے ہاری کی اوسط آراضی ۱۶ تا ۱۸ ایکڑ ہے۔ وہ سال میں ربیع کی ۸ ایکڑ اور خریف کی ۸ ایکڑ فصل حاصل کر سکتا ہے۔ فصل پکنے پر زمیندار کے کارندے آکر اُسے حکم دیتے ہیں کہ وہ فصل زمیندار کے گودام پہنچا دے اور بٹائی تک ہاتھ نہ لگائے۔ وہ اپنی سال بھر کی محنت کا ثمر حاصل کرنے کے لئے بھی زمیندار کا محتاج ہوتا ہے۔ کہنے کو تو آدھ بٹائی کا اصول ہوتا ہے۔ لیکن غیر آئینی طور پر ہاری کے حصہ میں کئی اور ابواب کے تحت بھی غلہ وصول کر لیا جاتا ہے اس ضمن میں زمیندار کے الفاظ قانون کا درجہ رکھتے ہیں ادھر بٹائی کے نام کے باوجود ہاری کو اپنی پیدا کردہ فصل میں سے بمشکل چوتھائی حصہ مل پاتا ہے۔ جو اس کی سال بھر کی ضرورت کے لئے ناکافی ہوتا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اُس میں سے بڑھئی، لوہار وغیرہ کو معاوضہ ادا کرنے کے بعد پیروں فقیروں کو بھی نذرانہ چڑھانا پڑتا ہے۔"

زمیندار، خون چوس رہا ہے

"اگر ہاری نے زمیندار سے بیج بیل اور کپڑوں یا گھریلو ضروریات کے لئے قرض لیا ہوتا ہے تو بٹائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ کھیت میں کھڑی فصل زمیندار کے پاس پہلے سے رہن ہوتی ہے۔ ہاری سود در سود کے قرضوں کے بوجھ تلے کراہتا رہتا ہے۔ اس کی تمام عمر محنت مشقت کرتے گذر جاتی ہے لیکن اصل تو ایک طرف سود بھی ادا نہیں ہو پاتا کیونکہ زمیندار کا منشی یا ساہوکار جعلی اور جھوٹے اندراجات کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ اور اس طرح بڑی بے رحمی اور قوت کے بل پر ہاری کا خون جونک کی مانند چوسا جاتا ہے۔ مسلمان زمیندار جو سود نہیں لیتے اس کے بجائے بھاری ابواب عائد کر دیتے ہیں۔ حالات سے تنگ

اگر آزاد پاکستان کے کوئی معنی ہیں تو دیہی باشندوں کی

معاشی اور سماجی سطح بلند کرنی لازمی ہے ـــــ زاہد حسین (مرحوم)

دیہات کا ایک روایتی منظر، عورتیں پا

اگر ہاری جان چھڑانے کے لئے بھاگ کر دوسرے زمیندار کے پاس بھی نہیں جاسکتا کیونکہ یہاں سندھ کے وڈیروں میں ویسا ہی ضابطہ رائج ہے جو قرونِ وسطیٰ میں غلاموں کی تجارت کرنے والوں نے بنا رکھا تھا۔ ان حالات میں ہاریوں کو زمین سے کم اور مویشیوں سے زیادہ سہارا ملتا ہے اور زمیندار شکایت کرتے ہیں کہ ہاری زراعت کے بجائے گلّہ بانی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اگر مویشیوں میں بھی زمیندار کا حصّہ ہوتا تو صوبہ بھر کے مویشی نہ جانے کب کے مرکھپ چکے ہوتے۔" (یہی وجہ ہے کہ سندھ کے مویشیوں کی خاصی شہرت ہے)

(ترجمہ۔ اقتباسات از اختلافی نوٹ (ہاری رپورٹ) پیش کردہ مسٹر مسعود آئی سی ایس)

قومی وسائل کی ترقی کی غرض سے تدابیر اختیار کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے ایک منصوبہ سازی بورڈ قائم کیا تھا۔ اسٹیٹ بنک کے گورنر مسٹر زاہد حسین کو بورڈ کا چیئرمین مقرر کیا گیا تھا۔

ہاری لیڈروں کا عرضی دعویٰ

زراعتی ترقی اور اصلاحات کے ضمن میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے مسٹر زاہد حسین نے تحریر کیا۔ "ہم سمجھتے ہیں کہ بڑے پیمانے پر زمین کی ملکیت سے جو ناہمواری پیدا ہوتی ہے وہ سماجی لحاظ سے بے مقصد، ناپسندیدہ اور مضر ہے۔ جو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ہم زمین پر حقوق کے بارے میں از سرِ نو ردوبدل کی سفارش کرتے ہوئے اسے سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ (مسٹر زاہد حسین کی رپورٹ سے اقتباس صفحہ ۴ جلد اوّل)

ہم اس امر کا اعادہ کریں گے اور زور دیں گے کہ زرعی اصلاحات کا مسئلہ تمام تر ترقی کی بنیاد ہے۔ عہدِ جدید میں اگر آزاد پاکستان کے کوئی معنی ہیں۔ تو دیہی باشندوں کو جو ہماری آبادی کی بھاری اکثریت ہیں۔ اُن کی معاشی و سماجی سطح بلند کرنی لازم ہے۔

(مسٹر زاہد حسین کی رپورٹ سے اقتباس صفحہ ۱۳۷ جلد اوّل)

لیکن یہ رپورٹ آج تک حکومت کے سرد خانے میں محفوظ ہے۔

یکم فروری ۱۹۵۲ء کو سندھ مزارعت ایکٹ (SIND TENENCY ACT) مجریہ ۱۹۵۱ء میں ترمیم کے لئے سندھ ہاری کمیٹی نے اس وقت سندھ کے گورنر شیخ دین محمد کی خدمت میں ایک عرضی دعویٰ پیش کیا جس کا مسودہ مرحوم عبدالقادر میرہ خاں، حیدر بخش جتوئی۔ غلام محمد لغاری، برکت علی آزاد، تاج محمد آبرو اور عبدالخالق آزاد نے تیار کیا تھا۔ ذیل میں اس کے بعض اقتباس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں:۔

وڈیرہ لیڈر، اسمبلی میں

"ہاری سندھ اور پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہیں جہاں ملک میں جو نیم جاگیرداری نظام نافذ ہے اُس نے ہاریوں کے حالاتِ کار میں حقیقی ترقی کو ناممکن بنا دیا ہے۔ سائنس کی تمام تر دریافت اور ایجادات نیز اعلیٰ ترین انسانی فکر و خیال کے ثمرات دیہات کے مفلس ہاری کے لئے نہ ہونے کے برابر ہیں وہ آج بھی وہیں ہے جہاں سو سال پہلے تھا یا اس سے بھی زیادہ خراب و خستہ گذشتہ چند برسوں میں چند جمہوری اقدامات اور ہاریوں کو ووٹ کا حق مل جانے کے بعد امید کی جاتی تھی کہ حالات کچھ بہتر ہوں گے۔ لیکن ہاری انتخابات کی خوش آمدید کہنے کے بجائے الیکشن سے خوف زدہ ہو گئے ہیں کیونکہ انتخابات وڈیرہ امیدواروں اور ان کے حامیوں کے ہر قسم کی ظلم کے جلو میں منعقد ہوتا ہے۔ انتخابات کے دوران زمیندار ہاریوں سے بلند بانگ وعدے کرتے ہیں۔ لیکن منتخب ہونے کے بعد وہ اپنے حقیقی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان کی ہاری دشمن ذہنیت ہر اس تقریر سے عیاں ہوتی ہے جو وہ اسمبلی ہال میں کرتے ہیں اور ہر قانون سے جسے وہ منظور کرتے ہیں۔ ان قوانین میں سے سندھ مزارعت ایکٹ ایک ہے اور یہ قانون اپنے نفاذ میں بیکار سے بھی بدتر ہے۔

قانون، ناکام ہو گیا

سندھ ہاری کمیٹی نے اس قانون کی خامیوں کی بروقت نشان دہی کی تھی۔ اور چند ترمیمات پیش کی تھیں لیکن مقنّنہ جو سندھ زمینداروں پر مشتمل تھی اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی بلکہ انہوں نے قانون کے اصلی مسودے کو اپنی ترمیمات سے اور ناکارہ کر دیا۔ یہ کارگذاری سندھ مسلم لیگ کے صدر مسٹر ایم اے کھوڑو کی تھی۔

ایکٹ کے بیکار محض ہونے کی اس سے بہتر مثال نہیں دی جاسکتی کہ اس ایکٹ کی منظوری کے بعد دو برسوں میں سندھ کے پانچ لاکھ ایسے ہاریوں میں سے سو حقیقی ہاریوں کے نام بھی حقوق کے رجسٹر میں درج نہیں کئے گئے۔"

"ہاری قوم کی سب سے بڑی پیداواری قوت ہیں۔ آبادی میں ووٹ دہندوں کی سب سے بڑی تعداد ہاریوں پر مشتمل ہے۔ یہ معاشرے کے ستون اور پاکستان کے حقیقی حکمران ہیں۔ ہاریوں کی ترقی پاکستان کے استحکام اور ترقی کے لئے تاریخ کے پہیئے کو پیچھے گھمانا ناممکن ہوگا آئندہ الیکشن میں خاص نعرہ، زمینداری کا خاتمہ ہوگا رجعت پسند زمینداروں کے لئے اسمبلی میں بزور طاقت داخل ہونا مشکل ہو جائے گا۔ اگر کسی قومی سانحہ کے طفیل یہ اسمبلی پر قابض ہو گئے۔ اور ہاریوں کے مفاد کے خلاف قوانین منظور کئے تو پھر بھی انہیں اپنی ناپاک کوششوں پر نادم ہونا پڑے گا۔"

مر رہی ہیں۔ لیکن افلاس اور استبداد نے ان کی زندگیوں میں زہر گھول رکھا ہے۔

ہاریوں کے دوستوں نے کیا کہا اور کیا کیا؟

اس مضمون میں اُن قومی رہنماؤں کے بیانات بھی شامل ہیں جو کسی نہ کسی زمانہ میں برسرِ حکومت رہ چکے ہیں۔ ان کی زبانیں، ہاریوں کی ہمدردی میں سرگرم، لیکن دل ہمدردی سے خالی تھے

سندھ کے بے زمین ہاریوں کے مسئلہ کی شدت کا اندازہ ملک کی سیاسی شخصیتوں کے حسبِ ذیل بیانات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"زرعی اصلاحات ایک وسیع موضوع ہے۔ میں صرف مختصراً اشارہ کروں گا کہ محض مزارعت (TENANCY) کے تحفظ کے لئے قانون بنانا کافی نہیں ہے بلکہ بڑی ملکیتوں کو توڑ کر انفرادی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد بندی کرنا ضروری ہے۔"

(اقتباس از چودھری محمد علی، صفحہ ۴۲ جلد دوم)

سندھ کے وزیر اعلیٰ پیرزادہ عبدالستار نے وعدہ کیا تھا کہ وہ "برپ" (کسان گرانٹ) کے تحت غلام محمد بیراج کے علاقہ میں سندھ کے بے زمین ہاریوں کو چھ لاکھ ایکڑ زمین الاٹ کریں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ وعدہ پورا ہو گورنر جنرل غلام محمد مرحوم نے پیرزادہ وزارت برطرف کر دی اور مسٹر کھوڑو کو سندھ کا وزیر اعلیٰ بنا دیا جن کی وزارت کے دوران اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ بن گیا۔

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں وحدتِ مغربی پاکستان کے بل پر ون یونٹ کے علمبرداروں نے حزبِ اقتدار کے ترجمان کی حیثیت سے سبز باغ دکھاتے ہوئے جو دلپذیر تقریریں کیں ان کا ایک آدھ نمونہ ملاحظہ ہو۔

"جناب اب سندھ کی نئی زمینوں کا حل کیا ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں حل یہ ہے کہ سندھ کی نئی آراضیات جو کہ پاکستان کی آئندہ خوش حالی کے لامحدود امکانات پیدا کریں گی۔ وہ استحصال کے لئے کھلی ہوئی ہیں۔ اگر ضروری

ستر فیصد زرعی گھرانے

بے زمین مزارعوں پر مشتمل ہیں

ہو تو اُن پر سندھ کے بے زمین مزارعوں کو آباد کیا جائے اور جب سندھ کے بے زمین ہاریوں کی بحالی ہو جائے اور مزید زمین موجود ہو تو ان پر دیگر صوبوں کے شہریوں اور باشندوں کو آباد کیا جائے۔ جن کے پاس زمینیں نہیں ہیں۔

(مباحثے کی سرکاری رپورٹ سے اقتباس۔ میاں ممتاز دولتانہ صفحہ ۳۶۰ جلد اوّل) مباحثے کی سرکاری رپورٹ کے مطابق صفحہ ۸۰۶ پر مسٹر مشتاق احمد گورمانی نے بھی تقریباً یہی بات کہی۔

لیکن ان تقریروں اور وعدوں کے باوجود سندھ کا بے زمین ہاری محروم رہا کیوں کہ جنگِ زرگری کے نظام میں زمین یا تو نیلام میں زیادہ سے زیادہ بولی بولنے والے زمیندار کو ملتی ہے یا مقاطعہ پر نقد رقم کی ادائیگی کے ذریعہ بے چارہ ہاری کس شمار میں ہے۔

امریکی بین الاقوامی امدادی ادارہ برائے پاکستان کے ناظم مسٹر جان ادبل نے ۱۱ر فروری ۱۹۵۷ء کو سندھ زراعتی کالج ٹنڈو جام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "دریائے سندھ کی وادی میں زراعت کے پُرانے طریقے برتے جا رہے ہیں۔ حکومتِ پاکستان کے اپنے زرعی منصوبے میں جو سست رفتار ترقی ہوئی ہے وہ بھی قابلِ اطمینان نہیں۔ پاکستان کی زرعی معیشت میں جو انحطاط پیدا ہو گیا ہے اُس کا تقاضا ہے کہ ایک باضابطہ منصوبہ کی تشکیل ہو اور ان تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

آزادی کی بیس بہاریں

۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ زمینوں کے خواہاں سندھ کے بے زمین ہاریوں کا ایک کیمپ گولیمار کراچی میں لگا تھا۔ سارے سندھ کے الاٹی ہاری کراچی میں جمع ہوئے تھے۔ کسانوں کا مطالبہ تھا کہ ہندوؤں سکھوں کی وہ زمین جو پاکستان کے بعد متروکہ ہو چکی تھیں ان غریب ہاریوں کو جن میں نان کلیمنٹ مہاجر ہاری بھی شامل تھے دے دی جائیں۔ مقامی و مہاجر الاٹی ہاریوں نے کراچی کی سڑکوں پر مظاہرہ کیا اور ان کا ایک وفد اس وقت پاکستان کے صدر اسکندر مرزا سے ملا تھا۔ ہاریوں کے وفد نے مسٹر اسکندر مرزا کے

ہاری عورتیں، مردوں کے ساتھ کھیتی باڑی میں ان کا پوری طرح ہاتھ بٹاتی ہیں۔

رُوبرُو مطالبات پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ "آزادی کے دس سال بعد بھی وہ نہ صرف زمین بلکہ زندگی کی بنیادی ضروریات تک سے محروم مُفلسی، ناداری اور ظلم کا شکار ہیں۔" دورِ ایوبی کی زرعی اصلاحات میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ایک کاشتکار خاندان کے گذارے کے لئے سندھ میں کم از کم ۱۶ ایکڑ زمین درکار ہے۔ حیدرآباد اور خیرپور ڈویژنوں میں جہاں غلام محمد اور گدّو بیراج کی سرکاری زمینیں امیر اور مقتدر لوگوں میں تقسیم کی جارہی ہے۔ وہاں ستر فیصد زرعی گھرانے بے زمین مزارعوں پر مشتمل ہیں۔ جب وہ لوگ اپنے پاؤں تلے سے زمین نکلتی دیکھتے ہیں تو اُن کی جو حالت ہوتی ہے۔ آپ اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(سابق میجر اسحاق محمد ایڈوکیٹ کے مضمون "مزارعین سے انصاف کیجئے" سے اقتباس۔ مطبوعہ نوائے وقت لاہور۔ ستمبر ۱۹۶۳ء)

بے زمین کاشتکار جن کی تعداد قیامِ پاکستان کے وقت بھی اچھی خاصی تھی پچھلے بیس سال میں بڑھتے بڑھتے صرف مغربی پاکستان میں بیس اکیس لاکھ خاندان ہو گئی ہے۔ اس بے زمین کاشتکار کی حالت کم و بیش وہی ہے جو فرنگی کے دورِ غلامی میں تھی۔ حکومتِ پاکستان نے تو اس سلسلہ میں کبھی اعداد و شمار جمع کرنے کی زحمت نہیں کی۔"

"زرعی اصلاحات کے سبب سے مغربی پاکستان کی چھ کروڑ بیس لاکھ ایکڑ قابلِ کاشت زمین سے صرف ۲۶ لاکھ ایکڑ زمین بڑے بڑے زمینداروں سے حاصل کی گئی۔ اس ۲۶ لاکھ ایکڑ میں سے ۱۹ لاکھ ایکڑ زمین تو پتھریلی اور ناکابل کاشت تھی۔ صرف ۷ لاکھ ایکڑ قابل کاشت زمین حکومت کو حاصل ہوئی اس سات لاکھ ایکڑ زمین کی قیمت حکومت نے کروڑوں روپے مقرر کی جو ہماری مفلوک الحال قوم نے زمیندار کو پیش کی۔"

(آزادی کی بیس بہاریں مصنفہ انیس ہاشمی سے اقتباسات)

اختر حسین کمیشن

زرعی اصلاحات کمیشن کے چیئرمین مسٹر اختر حسین نے ستمبر ۱۹۶۴ء میں اُردو ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے خود اعتراف کیا کہ زرعی اصلاحات سے وہ نتائج برآمد نہیں ہوئے جن کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔ لیکن یہ اصلاحات حقیقت میں اس قدر معمولی تھیں کہ ان کے سماجی یا اقتصادی نتائج منظرِ عام پر نہیں آئے۔ استثنا کی گنجائشوں نے ان اصلاحات کو اور بھی کم اثر بنا کر رکھ دیا مغربی پاکستان کے کل ۶ کروڑ ۲۰ لاکھ ایکڑ قابلِ کاشت زمین میں سے حکومت نے صرف ۲۳ لاکھ ایکڑ زمین اپنی تحویل میں لی۔ اس میں سے صرف ۷ لاکھ ایکڑ زمین قابلِ کاشت تھی۔ مسٹر اختر حسین نے مزید کہا کہ کمیشن کی ایک اہم سفارش یہ تھی کہ جن لوگوں کے پاس چھوٹی زمینیں ہوں اُن کی ملکیت کو بڑھا کر کم از کم ۱۲½ ایکڑ کر دیا جائے اس سفارش کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ غلام محمد اور گدّو بیراج کی سرکاری زمینیں زیادہ تر افسروں کو دے دی گئیں یا سب سے زیادہ بولی بولنے والوں کے ہاتھوں فروخت کر دی گئیں اس طرح زمینداروں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آگیا جس کی جڑیں انتظامیہ میں بہت گہری ہیں۔"

بینک، جاگیرداروں کے لئے

بینک دولت پاکستان نے زرعی کارکردگی میں اضافہ کے لئے ۶۶-۱۹۶۵ء میں ۴۱٫۹۸ کروڑ روپے کی مالیت کے قرضے منظور کئے گئے۔ اس میں سے زرعی ترقیاتی بینک کو ۲۲٫۵۵ کروڑ روپے مغربی پاکستانی میں امدادِ باہمی کی انجمنوں کو ۱۴٫۰۹ کروڑ روپے کی مالیت کے قرضے منظور کئے گئے، یہ قرضے زیادہ تر زراعتی شرحِ سود پر ملک میں فصلی کارگذاریوں اور اور زرعی ترقیاتی کاموں کے لئے منظور کئے گئے۔

(صفحہ ۵۰ سالانہ رپورٹ ۶۶-۱۹۶۵ء بینک دولت پاکستان)

لیکن ان سہولتوں اور مراعات سے صرف جاگیردار و زمیندار ہی فیضیاب ہوئے۔ غریب کاشتکاروں اور ہاریوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ ان کے لئے اسٹیٹ بینک کی بلند و بالا عمارت سے یہ بارشِ زر بھی بے فائدہ رہی۔ ایسے منصوبے اور کارگذاریاں جن سے ملک کے حقیقی کاشتکاروں کو فائدہ پہنچے بابوؤں کی نظر میں کاغذی اور بے کار ہیں۔

"پاکستان کا زرعی نظام عوام کی ترقی و خوشحالی اور اُن کی تہذیبی سطح بلند کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس فرسودہ اور پُرانے زرعی نظام میں آج تک دُوررس بنیادی اور انقلابی تبدیلیاں نہیں کی گئیں۔ پاکستان کے غریب کاشتکار اور کسان آزادی کی نعمتوں سے آج تک محروم ہیں۔

موجودہ زرعی نظام پاکستان کی ٹھوس اور تیز صنعتی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔"

(میاں محمود علی قصوری کے پیش کردہ قومی مطالبات کا منشور، ۱۹۶۷ء سے اقتباس)

سندھ ہاری کمیٹی کے صدر حمید بخش جتوئی نے ۴ اپریل ۱۹۶۷ء کو صدر مملکت محمد ایوب خاں اور گورنر مغربی پاکستان محمد موسیٰ سے عرضِ احوال کرتے ہوئے تحریری مطالبہ کیا تھا کہ وہ سندھ کے بے زمین ہاریوں اور بہت کم آراضی رکھنے والے کاشتکاروں کی مشکل آسان کریں۔ مسٹر جتوئی نے لکھا کہ ہاری برس ہا برس سے زمین ملنے کی آس لگائے ہوئے ہیں۔ ان بے کسوں کے حق میں تحفظِ مزارعت کے لئے کوئی موثر قانون نہ تو منظور ہوا اور نہ نافذ کیا جا سکا اور نہ ہی بٹائی کے جائز حصّے کا حق انہیں حاصل ہوا۔ وہ (ہاری) دائمی غلامی کی لعنت میں مبتلا ہیں اور نہ جانے کب انہیں مہذب زندگی کی کم سے کم سہولت اور فائدے حاصل ہوں گے۔

دورِ ایوبی کی زرعی اصلاحات کے باوجود اور پاکستان میں آزادی کی بائیس بہاریں گذر جانے کے بعد بھی ہاری کے کھیت اور کھلیان میں بہار نہیں آئی۔ اس کی زندگی پر اب تک خزاں چھائی ہوئی ہے۔ نیون سائن کے اس جگمگاتے ہوئے عہد میں اس کی جھونپڑی میں ابھی تک تاریک صدیوں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ وہ ایک آزاد ملک کا باشندہ اور دنیا کی سب سے بڑی مملکت خداداد کا شہری ہونے کے باوجود نانِ شبینہ کا محتاج ہے۔

افسروں اور وزیروں پر ایوب خاں کی نوازشیں

بیراج کی زمینیں انعام میں تقسیم ہوگئیں

سندھ میں بیراجوں کی تقسیم کا مسئلہ متنازعہ ہے۔ قومی اور علاقائی اخبارات میں اس پر بہت کچھ احتجاج ہو چکا ہے۔ اہل سندھ کا موقف ہے کہ جب کہ سندھ میں بے زمین اور کم زمین والے مفلوک الحال ہاریوں، اور زرعی بے روزگاروں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے تو نو تعمیر بیراجوں سے سیراب ہونے والی زمینوں پر سب سے پہلا حق سندھ کی زمین سے محروم زراعت پیشہ لوگوں کا ہے، اور حقدار ہاریوں کو "ہرّپ" (کسان گرانٹ) کے تحت زمینیں ملنی چاہئیں۔

لیکن بیراج کی زمینوں کے الاٹ منٹ میں حقدار ہاریوں کی مسلسل حق تلفی کی جاتی رہی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق صرف دور ایوبی میں متعدد سرکاری افسروں کو اعلیٰ کارکردگی کے صلے میں پچاس ہزار ایکڑ اراضی الاٹ کی گئی۔

گڈو بیراج کے علاقہ میں چھ مختلف درجوں میں ۱۲۶۵ افسروں کو ۱۳۲ ایکڑ سے لے کر ۲۴۰ ایکڑ فی افسر کے حساب سے زمینیں الاٹ کی گئیں۔ ان اعلیٰ افسروں میں مسٹر ہلالی، مسٹر آغا شاہی، مسٹر ایم ڈبلو عباسی، فاضل جسٹس انعام اللہ خاں، مسٹر آئی یو خاں، میاں مشتاق احمد، مسٹر معز الدین احمد، مسٹر امیر محمد خاں، مسٹر ایس آئی حق، خان نجف خاں، چودھری عبدالحمید، میجر جنرل اکبر خاں، مسٹر شریف خاں، شہزادہ عالمگیر اور فاضل جسٹس مسعود احمد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ درجہ دوم میں بیس افسروں کو ۱۶۰ ایکڑ فی کس اور درجہ سوم میں ۲۴ افسروں کو ۱۲۸ ایکڑ فی کس درجہ چہارم میں ۵۲ افسروں کو ۱۹۶ ایکڑ فی کس درجہ پنجم میں ۱۹۷ افسروں کو ۱۶۴ ایکڑ فی کس اور درجہ ششم میں ۱۳۶ افسروں کو ۱۳۲ ایکڑ فی کس کے حساب سے نوازا گیا۔

غلام محمد بیراج کے علاقہ میں ۱۳۶ افسروں کو مجموعی طور پر ۶۱۹۲ ایکڑ رقبہ الاٹ کیا گیا۔ ان میں مسٹر جمال بھٹو مسٹر عبدالغفور اور مسٹر محمد سعید جیسے واپڈا اور زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے اعلیٰ افسر شامل ہیں۔ جمی ایم بیراج میں مشینی کاشتکاری کے لئے ۲،۰۸۳،۰۰۰ (دو لاکھ تراسی ہزار) ایکڑ اراضی مخصوص کی گئی اور اسے ایک سو تا پانچ سو ایکڑ فی خاندان کے حساب سے دور ایوبی کے بعض وزیروں اور اعلیٰ افسروں میں تقسیم کیا گیا۔ اب تک (۲ لاکھ ۲۰ ہزار) ۲،۲۰،۰۰۰ ایکڑ اراضی صرف (چودہ سو) ۱۴۰۰ خاندانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ اس طرح زرعی پیداواری وسائل کو چند غیر حاضر اور غیر مستحق لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔

یہی نہیں بلکہ سندھ، کراچی اور دیگر علاقے کے اکثر بڑے بڑے صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کو بھی فارم اور باغات کے لئے خصوصی اور زرخیز رقبے دیئے گئے۔ جہاں انہوں نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے زراعتی ترقی کے بہانے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔

کاشت آراضی بے آباد رہ جاتی ہے اور زرخیز کھیت اجڑ جاتے ہیں۔ نہری پانی حسب ضرورت اور بروقت نہ ملنے سے سندھ کے دیہاتوں میں تباہی نازل ہوتی ہے۔ گذشتہ اپریل اور مئی کے مہینوں میں سندھ کے گوشے گوشے سے نہری پانی کی شدید قلت کی شکایتیں موصول ہوئیں محکمہ انہار کے سکریٹری اور صوبائی گورنر کو تار دیئے گئے خریف کی فصل کے لئے غلہ اور دیگر اجناس کی تخم ریزی کا موسم گذرتا جا رہا تھا۔ اہل سندھ کو شکوہ تھا، کہ مغربی پاکستان کے بالائی حصوں میں ضرورت سے زیادہ پانی کے اخراج کے باعث دریائے سندھ کی زیریں وادی کی نہریں خشک ہوگئیں۔ لیکن صوبائی محکمہ انہار نے اس الزام کی تردید کر دی۔ بالآخر جون کے پہلے ہفتہ سے سکھر، کوٹری اور گڈو بیراج سے سیراب ہونے والی نہریں پانی سے لبریز نظر آنے لگیں۔ اور یہ شکایت رفع ہوئی۔

کوٹری اور گڈو بیراجوں سے سیراب ہونیوالی آراضیات کی تقسیم کے گوشوارے ملاحظہ ہوں

گڈو بیراج کی زمینوں کی تقسیم

۱۔ بے زمین ہاری	x	فیصد
۲۔ چھ ایکڑ سے کم کے مالک ہاری	۲۳٫۷	"
۳۔ ۲۴ ایکڑ سے کم کے مالک ہاری	۱۵	"
۴۔ فوجی بھائی	۱۵	"
۵۔ نیلامی خریدار	۱۹	"
۶۔ ریٹائرڈ سول حکام	۵	"
۷۔ منگلا ڈیم کے متاثرہ لوگ	۶	"
۸۔ اسلام آباد کے متاثرہ لوگ	۷	"
۹۔ محکمہ جاتی منصوبے	۵	"
۱۰۔ آبادی، منڈی اور نہر	۵	"
۱۱۔ سرحدی قبائلیوں کے لئے	۵	"
۱۲۔ کوٹہ و قلات کے لوگوں کیلئے	۵	"
۱۳۔ خطابات و انعامات میں	۵	"
۱۴۔ طویل پٹہ اور مقاطعہ پر	x	
۱۵۔ دیگر	x	

مندرجہ بالا گوشوارہ ۳۱ مارچ ۱۹۶۷ء تک کے اعداد و شمار ظاہر کرتا ہے۔

کوٹری (جی، ایم بیراج) کی زمینوں کی تقسیم

۱۔ ہاری	۳،۰۰،۰۰۰ ایکڑ
۲۔ چھوٹے کسان	۲،۵۰،۰۰۰ "
۳۔ فوجی بھائی	۱،۰۰،۰۰۰ "
۴۔ نیلام	۱،۴۰،۰۰۰ "
۵۔ مشینی کاشت	۲،۵۰،۰۰۰ "
۶۔ سرکاری افسران	۱۵،۰۰۰ "
۷۔ شمالی علاقے کے لوگ	۱،۵۰،۰۰۰ "
۸۔ امداد باہمی کی انجمنیں	۲۵،۰۰۰ "
۹۔ کھارو ٹریکٹ کے متاثرہ لوگ	۱۰،۰۰۰ "
۱۰۔ سرکاری محکمہ جات	۲۵،۰۰۰ "
۱۱۔ غیر الاٹ رقبہ	۱،۰۰،۰۰۰ "

واضح رہے کہ کوٹری بیراج ۱۹۵۴ء میں کمیشن کیا گیا تھا۔

نہری پانی

سندھ کے زراعت پیشہ باشندے نہری پانی کی شدید قلت اور پانی کی تقسیم کے سلسلہ میں محکمہ انہار کی بدعنوانیوں کا گلہ برسوں سے کرتے آئے ہیں لاکھوں ایکڑ قابل

آزادی سے پہلے ۱۹۴۵ء میں سندھ اور متحدہ پنجاب کے مابین نہری پانی کی منصفانہ تقسیم کے لئے حکومت ہند کے مقرر کردہ "راؤ کمیشن" کی سفارشات کی روشنی میں معاہدہ ہوا تھا۔ اس معاہدہ میں تعمیر شدہ اور آئندہ تعمیر کئے جانے والے مجوزہ بیراجوں

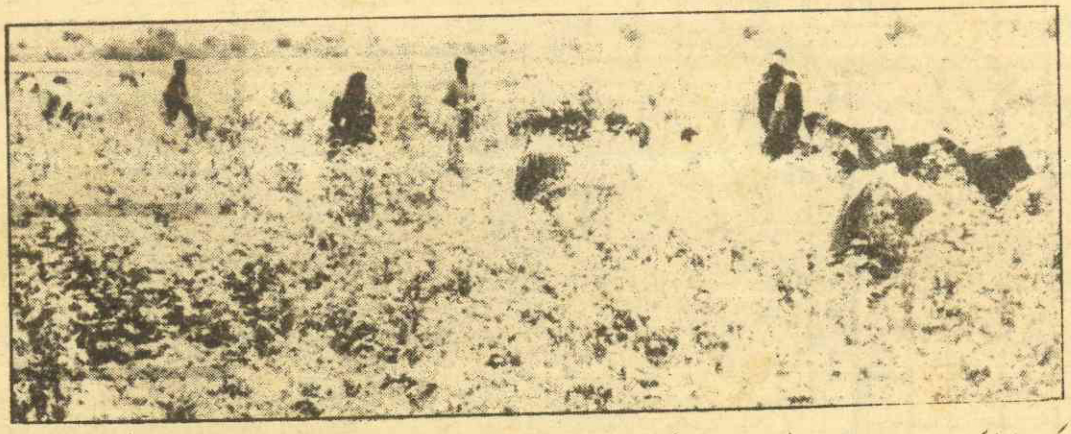

یہ لوگ کھیتوں میں مسلسل کام کرتے ہیں، لیکن پیداوار میں ان کا حصہ ایک تہائی سے بھی کم ہوتا ہے۔

کی حسب ضرورت مقررہ کیوسک پانی کے اخراج کی تاریخیں تک معین ہیں۔ ربیع و خریف کی فصلوں میں غلہ اور دیگر اجناس کی تخم ریزی کے موسم کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ بلکہ یہ طے کیا گیا کہ کس نہر میں پانی کی کیوسک مقدار کیا ہوگی۔

یہ مطالبے پورے کئے جائیں

واضح رہے کہ سندھ میں تحفظ مزارعت پر عمل درآمد ہونا ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ سندھ کے بے زمین اور گذارہ یونٹ سے کم زمین رکھنے والے ہاریوں کو قابل کاشت آراضیات دی جائیں۔ اس مقصد کے لئے ماضی میں الاٹی ہاریوں کی تحریک اور نیلام نہ کرنے کی جدوجہد بھی کی جاتی رہی ہے۔

سندھ میں زمین اور زراعت کو نئی زندگی بخشنے زرعی مسائل کو حل کرنے اور زراعت پیشہ آبادی کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے تجاویز مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ زمین اور زراعت پر انگریزی حکومت کے قائم کردہ فرسودہ اور ناکارہ رفتہ پیداواری رشتے ختم کئے جائیں

۲۔ ملک میں نئی اور وسیع تر زرعی اصلاحات نافذ کی جائیں تاکہ دوررس اور خوش آئند نتائج برآمد ہوں۔

دور یوبی کی نامکمل اور ناکارہ زرعی اصلاحات سے کوئی قابل قدر اثرات مرتب نہیں ہوئے لہٰذا اس کمی کو پورا کیا جائے

۳۔ گذارہ یونٹ کم سے کم ۲۵ ایکڑ مقرر کی جائے اور اس حد تک مالگذاری معاف کی جائے۔

۴۔ حقوق مزارعت کے تحفظ کے لئے متعلقہ ایکٹ میں ترمیم کرکے اسے موثر بنایا جائے۔

۵۔ آراضیات کا نیلام قطعی طور بند کیا جائے بے زمین اور کم زمین رکھنے والے ہاریوں کو زمینوں کی تقسیم میں اولیت دی جائے

۶۔ [illegible] کو دور کرنے اور پانی کی حسب ضرورت اور بروقت آب رسانی سے متعلق بے قاعدگیوں اور بدعنوانیوں کا سدباب کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں۔

۷۔ ارضی کٹاؤ، سیم اور تھور کی فوری اور موثر روک تھام کے لئے ملک گیر مہم چلائی جائے۔ اور شوررزدہ زمینوں کے بازیابی کے لئے مناسب منصوبوں پر عمل کیا جائے۔

گذارہ یونٹ کم سے کم ۲۵ ایکڑ مقرر کیا جائے

۸۔ کاشتکاروں کو غلہ اور دیگر اجناس کے معقول نرخ دلانے کے لئے انتظامات کئے جائیں۔ اور مارکیٹنگ کوآپریٹیو سوسائٹی بنائی جائیں۔

۹۔ ملک میں دیہات سدھار اسکیموں اور دیہی امداد باہمی کا جال بچھا کر انہیں قرار واقعی فعال بنایا جائے

۱۰۔ بہتر اور اعلیٰ اقسام کے بیج درآمد کرکے واجبی داموں پر تقسیم کیا جائے۔ تاکہ فصلیں عمدہ ہوں۔

۱۱۔ آسان قسطوں پر تعاونی اور زرعی قرضے دینے کے لئے کارآمد اور سادہ طریق کار اپنایا جائے۔

۱۲۔ زمینوں کو معاشی طریق پر یکجا کرکے کوآپریٹو فارمنگ کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ماڈل فارم قائم کئے جائیں

۱۳۔ کاشتکاروں کو زرعی تعلیم و تربیت سے نظری و عملی طور پر روشناس کرانے کے لئے منظم گشتی ادارے قائم کئے جائیں۔

۱۴۔ فصل کو کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لئے جراثیم کش ادویات ملک میں تیار کی جائیں۔ اور تحفظ نباتات کی تحریک چلائی جائے۔

۱۵۔ زرعی حیاتیات اور زراعتی تحقیقات کی کوششوں کو فکر کی حدود سے نکال کر عمل کے ذریعہ بارآور کیا جائے

۱۶۔ غلہ اور دیگر اجناس کی زیر کاشت آراضی بڑھانے کے بجائے پیداوار کی فی ایکڑ شرح میں اضافہ پر زور دیا جائے۔

۱۷۔ مالگذاری اور آبیانہ کے ٹیکس از سر نو مناسب و معقول طور پر مقرر کئے جائیں۔

۱۸۔ دیہی اور گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جائے۔

۱۹۔ زراعت کی معاون و مددگار صنعت کو ترقی دی جائے۔ مثلاً کھاد اور جدید آلات کے کارخانے ملک کے اندر قائم کئے جائیں۔

لیل و نہار (فتویٰ جواب فتویٰ نمبر)

ہمیں یہ شکایت ملی ہے کہ لیل و نہار کا یہ مقبول شمارہ بعض جگہوں پر بلیک میں تین تین روپے میں یا اس سے بھی زائد قیمت میں فروخت ہو رہا ہے۔ قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس پریشانی سے بچنے کے لئے شہر میں لیل و نہار کے ایجنٹ سے رجوع کریں اور پرچہ اصل قیمت میں خرید فرمائیں۔ لیل و نہار کا یہ خاص شمارہ جس کا تیسرا ایڈیشن حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اب مطلوبہ تعداد میں ہمارے دفتر سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔

ایجنٹ صاحبان، مایوسی سے بچنے کے لئے اپنے آرڈر جلد بک کرا لیں۔

سرکولیشن منیجر ہفت روزہ **لیل و نہار**

پوسٹ بکس [illegible]

افسانہ

زندان کی ایک صبح

نعیم آروی

صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں کولتار کی تنگ سڑک خاموش پڑی تھی۔ رات بھر کی طوفانی بارش کی وجہ سے سڑک کے دونوں طرف گھٹنے گھٹنے پانی جمع ہو گیا تھا خودرو گھاس سے بدبو کا تیز بھپکا اٹھ رہا تھا۔ اور ان میں دُبکے ہوئے برساتی جھینگر اور ٹڈے مسلسل راگ آلاپ رہے تھے۔ سڑک پر ابھی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی۔ اعظم پور جانے والی کولتار کی سڑک اس کے قدموں سے لپٹی ہوئی صاف ستھری سیاہ چادر کی مانند تیزی سے کھلتی جا رہی تھی۔ بجلی کے کھمبوں کے بلب صبح کے اُجالے میں بے معرف اور فضول دکھائی دے رہے تھے۔ تھکن سے اس کا سارا بدن چور چور ہو گیا تھا میلی ساڑھی کا آنچل سر سے ڈھلک کر شانوں پر سمٹ گیا تھا۔ اگر اچھے دن ہوتے تو اس عمر میں بھی سر سے ڈھلکے ہوئے آنچل کے احساس سے وہ کٹ مرتی، مگر اسے تو اپنے تن بدن کا ہوش ہی نہ تھا۔ رہ رہ کر بس ایک ہی خیال بچھو بن کر ڈنگ مار رہا تھا۔ "اشرف ظالموں کے نرغے میں زندہ سلامت ہو۔ اگر اُسے کچھ ہو گیا تو وہ بقیہ زندگی کس کے سہارے گذارے گی۔"

ایک جگہ جہاں سنگ میل نصب تھا وہ رُک گئی، دو چار لمبی گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے ساڑھی کے پلّو سے اپنی آنکھوں کے کناروں میں جمی ہوئی نمی صاف کی، پھر چل پڑی۔ اس کی عمر زیادہ نہ تھی، لیکن زمانے کی آزمائشوں اور وقت کے کڑے امتحانوں کے سبب سے وہ پالا مارے ہوئے پودے کی طرح کمھلا کر رہ گئی تھی۔ بجھے ہوئے چہرے پر آڑی ترچھی لکیریں اُبھر آئی تھیں ترشے ہوئے ہونٹ، کشادہ پیشانی، اور موٹی موٹی آنکھوں کا سارا حسن بے وقت کی لکیروں کے جال میں اُلجھ کر محض مامتا کی پکار بن گیا تھا۔ اس کے سُونے سُونے اُجڑے ہوئے چہرے پر بس ایک ہی تاثر ملتا تھا اور وہ تاثر ماں کی محبت تھی۔ ماں کا بے لوث جذبہ تھا، ماں کی عظمت اور مسلسل قربانیوں کی ایک داستان تھی۔ وہ اس چھوٹے سے قصبے کی اُن عورتوں میں سے ایک تھی جن کے شوہر سالہا سال سے وطن کے تحفظ اور سلامتی کی خاطر اپنی جان نثار کرتے آئے ہیں۔ اس کا میاں ستمبر کی جنگ میں محاذ پر لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ وہ شام کے وقت اپنے چوکھٹ پر بیٹھی ہوئی اپنے میاں کے خط کا انتظار کر رہی تھی کہ دروازے پر ایک جیپ آ کر رُکی اور وردی پہنے ہوئے ایک فوجی جوان کھٹ کھٹ کرتا ہوا اس کے پاس آیا اور سلام کرنے کے بعد اس کے میاں کے شہید ہونے کی خبر سنائی۔

اسے میاں کے مرنے کا بڑا غم تھا شادی کے اتنے سال بعد بھی دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ وہ اس کے غم میں رات بھر روتی رہی، سارا تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ پھر بھی اُسے سکون نہ ملا۔ مدتوں کی رفاقت، قربت کا گہرا احساس بس فوجی نوجوان کے جملوں سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ "ہمیں بڑا افسوس ہے، تمہارا میاں ایک عظیم انسان تھا، بہادر سپاہی تھا، وطن عزیز کی خاطر۔" بس بس خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ مجھے اس کی موت پر فخر ہے۔ قصبے کی کسی عورت نے اپنے اجڑے ہوئے سہاگ کا ماتم نہیں کیا۔ میں بھی ماتم نہیں کروں گی مگر میں اپنے احساسات کو کہاں دفن کر دوں۔" وہ رات بھر بستر پر کروٹ بدلتی رہی، پیشانی آگ کی طرح دہک اٹھی تھی، آنکھیں پکے ہوئے پھوڑے کی مانند ٹیسیں مار رہی تھیں۔ صبح جب اُس نے چارپائی پر لیٹے لیٹے اپنے جوان بیٹے اشرف علی خاں کو آنگن میں گھومتے ہوئے دیکھا تو میاں کی موت کا سارا غم کافور ہو گیا۔ جلتی ہوئی پیشانی اور ٹیسیں مارتی ہوئی آنکھیں ایک دم سے ٹھنڈی اور پرسکون ہو گئیں۔ اشرف علی خاں میں اس کا میاں زندہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کے روپ میں اپنے گمشدہ شوہر کا روپ تلاش کر لیا تھا۔ اس کے زندہ رہنے کا بہت بڑا سہارا مل گیا تھا۔

. . . . . .

شمالی کی جانب بھوری پہاڑی کے سلسلوں کے اوپر

سفید سفید روشنی کی پھوار برسنے لگی تھی۔ پوری طرح بیدار ہونے والی صبح کی آمد آمد تھی۔ ابھی وہ نصف میل چلی ہوگی کہ بیکری کی گاڑی جس کے آگے دو ٹٹو جتے ہوئے تھے کھڑکھڑاتی ہوئی تیزی سے گذر گئی۔ وہ اس سے پہلے بیکری کی گاڑی کو اپنے گھر کے دروازے سے گذرتے ہوئے دیکھتی تھی۔ آج اس نے اس تنومند ادھیڑ عمر کے آدمی کو بہت قریب سے دیکھا جو اندھا دھند گاڑی چلانے کا شوقین تھا۔ بس ایک لمحے میں بیکری کی گاڑی اس کے سامنے سے گذر جاتی تھی۔ اس کی آواز سن کر اشرف چارپائی سے ہڑبڑا کر اٹھ جاتا تھا۔ اور اپنی ماں سے چائے کا مطالبہ کرتا ہوا نہانے چلا جاتا تھا۔ ادھیڑ عمر کے آدمی نے گلے میں مفلر لپیٹ رکھا تھا۔ سر پر بانس کی بنی ہوئی بڑی سی ٹوپی تھی، جس کے جھکے ہوئے اگلے حصے میں اس کا نصف چہرا چھپا ہوا تھا۔ گاڑی کچھ دور جا کر ٹھہر گئی تھی۔ جب وہ قریب پہنچی تو گاڑی والے نے پوچھا!

"کہاں جاؤ گی.... بی بی...."

"اعظم پور سے پولیس چوکی۔ وہاں میرا بیٹا قید ہے۔"

گاڑی والے نے چونکتا ہوتے ہوئے سوال کیا... "کیا کیا تمہارے لاڈلے نے، آخر اسے کس جرم میں دھر لیا گیا؟"

"اس پر مزدوروں کے ساتھ ملکر کارخانے پر قبضہ کرنے کا الزام ہے"۔

گاڑی چلانے والا فوراً نیچے اتر آیا۔ اس نے ادب سے سلام کیا اور سہارا دے کر اس عورت کو اوپر بیٹھنے میں مدد دی۔ گاڑی شور مچاتی ہوئی چلی تو اس نے چیخ کر کہا۔ "میرا جوان بیٹا ستمبر کی جنگ میں شہید ہوگیا تھا۔ مرنے والوں کو صبر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جیتا جاگتا بیٹا نظروں سے اوجھل ہو جائے تو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ پھر تم تو ماں ہو، عورت ہو جس کا دل محبت کی گرمی سے ہر وقت موم کی طرح پگھلتا رہتا ہے۔ کولتار کی بے داغ سڑک پر سدھے ہوئے ٹٹو سرپٹ بھاگتے جا رہے تھے۔ گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ پہلے کی نسبت کم ہوگئی تھی۔ اعظم پور مشکل سے دو میل رہ گیا تھا۔ قلعہ کی دھندلی فصیل نظر آنے لگی تھی۔ دیو ہیکل قدیم قلعے کی برجیوں کے اوپر ابھرتے ہوئے سورج کی پہلی کرنیں ناچنے لگی تھیں۔ بجلی کے کھمبے بارش کی وجہ سے سیاہ نظر آرہے تھے تاروں پر پانی کے موٹے موٹے قطرے صبح کی روشنی میں قیمتی پتھر کی طرح چمک رہے تھے۔ گاڑی کی رفتار کے ساتھ ساتھ بجلی کے کھمبے برقی تار کچے مکانوں کی بند کھڑکیاں، پیچھے کی جانب بھاگتی جا رہی تھیں

وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھی ہوئی اپنے بیٹے کے بارے میں سوچ رہی تھی، جو پچھلے سال اعظم پور چلا آیا تھا۔ اور کارخانے میں ملازم ہوگیا تھا۔ پورے ایک سال کے بعد اسے کل رات اچانک معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس نے جیل سے اپنی ماں کے پاس پیغام بھجوایا ہے کہ وہ اگر اس سے مل لے۔ جانے وہ کس حال میں ہے"۔ اس نے سوچتے سوچتے ٹھنڈی سانس لی

کوچوان اسے فکرمند دیکھ کر دوبارہ دلاسہ دینے لگا

بی بی فکر نہ کرو۔ تمہارا بیٹا بیقصور ہو جائے گا۔ یہ سرپھرے بلاوجہ اپنی جان مصیبت میں ڈالتے ہیں۔ کسی کا غم ہو۔ اسے اپنا غم سمجھ کر اوڑھ لیتے ہیں"

اس نے کوچوان سے کہا۔ "جنگ کے زمانہ میں کھڑی فصلیں تباہ ہوگئیں۔ کھیتوں میں ہل چلانے والے قصبے کے جوان کارخانوں میں روزگار تلاش کرنے کے لئے اعظم پور کو کوچ کرنے لگے سارا قصبہ بھوک اور افلاس کی لپیٹ میں آگیا۔ میرا بیٹا اشرف بھی بے کاری سے تنگ آکر شہر چلا آیا۔ میں اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دور کرنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن کیا کرتی قصبے کے سارے لڑکے اعظم پور چلے آئے۔ قصبہ کے ہر گھر کے دروازے پر بوڑھی مائیں جوان بیویاں اور نوعمر بہنیں اپنے بیٹے اپنے شوہر اور اپنے بھائیوں کے انتظار میں تھیں۔ میرا بیٹا بھی

> **کوچوان نے جھنجلا کر کہا "سرمایہ داروں کی نظروں میں ہر وہ شخص خطرناک انقلابی اور وطن دشمن ہے جو روٹی اور روزگار کی باتیں کرتا ہے"۔**

شہر آگیا تھا۔ وہ یہاں پکڑا جانے کے ایک کارخانے میں ملازم ہوگیا۔ ڈاکیہ مہینہ اس کی بھیجی ہوئی رقم مجھے پہنچا جایا کرتا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے نہ تو اس کا کوئی خط آیا اور نہ اس کی بھیجی ہوئی کوئی رقم ملی ـــــ میں پیسوں کے لئے پریشان نہ تھی، میں تو اس کی خیریت جاننے کے لئے بے حال تھی۔ کل رات اعظم پور کی پولیس چوکی سے ایک سپاہی نے آن کر خبر دی کہ تمہارا بیٹا گرفتار ہوگیا ہے۔ اس پر مزدوروں کے ایک ٹولے سے ساز باز کر کے کارخانے پر ناجائز طور پر قبضہ کرنے کا الزام ہے

"بکواس ہے" ـــ کوچوان نے جھنجلا کر کہا ـــ "سرمایہ داروں کی نظروں میں ہر وہ شخص خطرناک انقلابی اور وطن دشمن ہے۔ جو روٹی اور روزگار کی باتیں کرتا ہے۔ اور تو اور ایسے شخص پر مذہب سے بغاوت کرنے کا الزام بھی عائد کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بی بی جہاں ہر طرف بڑے سرمایہ داروں کا راج ہے۔ وہاں حق بات کہنے والوں پر ایسے ہی الزامات لگائے جاتے ہیں ـــ تم ایک شہید کی بیوہ اور جوان بیٹے کی ماں ہو حوصلہ رکھو ـــ تمہارے بیٹے کی رہائی کی کوئی راہ نکل ہی آئے گی"۔

بیکری کی گاڑی اعظم پور کے حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ کوچوان نے ڈھیلی لگام کو کھینچنا شروع کر دیا۔ نصف فرلانگ پر اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک کر اس عورت سے کہا۔ "بی بی اب تم یہیں اتر جاؤ ـــ اگلے موڑ پر پولیس چوکی اور اس کے ساتھ ہی جیل خانہ ہے۔ تم اپنے بیٹے سے مل آؤ ـــ جب تک میں بیکری سے ڈبل روٹیاں سمیٹ لوں۔ واپسی پر میں تمہیں یہیں سے لیتا چلوں گا۔ سمجھ گئی نا ـــ دیر ہو جائے تو میرا انتظار کر لینا ـــ"

وہ خاموشی سے اس جگہ اتر گئی ـــ بیکری کی گاڑی جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی وہ اسی جگہ کھڑی کھڑی اس ادھیڑ عمر کوچوان کے بارے میں سوچتی رہی جو اس سے بڑی مہربانی سے ملا اور جاتے جاتے اس کی ڈھارس بندھا گیا تھا ـــ انسانوں کے اس انبوہ میں جہاں قدم قدم پر اعتماد کو ٹھیس لگتی ہے۔ اور انسانی رشتوں کی بے شرمی سے دھجیاں بکھیری جاتی ہیں مہربان چہروں کا مل جانا کتنی عجیب بات ہے ـــ

پولیس چوکی پر اسے بیٹے سے ملنے کے انتظار میں مسلسل تین گھنٹے بٹھایا گیا ـــ ان تین گھنٹوں میں کسی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ نہ کسی نے یہ سوچا ہوگا کہ ایک بیچاری دکھیا ماں اپنے بیٹے سے ملنے کی للک میں کم از کم چالیس میل کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچی تھی۔ پولیس چوکی کے اندر سے آنے جانے والے کو امید بھری نظروں سے دیکھتی رہی تھی کہ شاید اس بار کوئی آکر یہ کہدے "چل کے اپنے بیٹے سے مل لے"۔

تقریباً ۱۲ بجے ایک سپاہی نے اسے ٹھونکا دیا۔ "چل تجھے صاحب بلاتے ہیں"۔ انتظار کرتے کرتے وہ اونگھنے لگی تھی۔ وہ پردہ اٹھا کر اندر داخل ہوئی تو اس نے ایک بڑی سی میز کے پیچھے ایک خوب رعب داب والا آدمی بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس نے کڑک کر پوچھا۔ "تم اشرف کی ماں ہو"ـــ

"ہاں جی ـــ میں ہی اشرف کی ماں ہوں میرے میاں کا نام"۔

"چپ کرو ـــ جتنا پوچھا جائے اتنا ہی جواب دو"ـــ "سنو بڑی بی ـــ تم اگر اپنے بیٹے کو آزاد دیکھنا چاہتی ہو تو اس سے مل کر کہو کہ وہ ہمیں اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام اور پتے بتائیے ـــ ہم تمہارے بیٹے کو نیک چلنی کی ضمانت پر چھوڑ دیں گے۔ اگر اس نے مجرموں کے نام اور پتے نہیں بتائے تو سن لے کہ میں اسے جیل میں سڑا سڑا کر مار ڈالوں گا۔" زندہ نہیں چھوڑوں گا ـــ؟

جب اسے اس کے لخت جگر، اشرف کے پاس پہنچایا گیا تو پہلی بار وہ اپنے بیٹے کو پہچان نہ سکی ـــ اس کے سامنے ٹرمل جوان بیٹے کی جگہ ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا تھا۔ ماں کی مامتا بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر ٹھاٹھیں مارنے لگی۔ محبت کا دریا جوش کھانے لگا ـــ ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ اپنے بیٹے سے لپٹ کر رونے لگی ـــ "اشو، اشو، یہ تیرا کیا حال ہوگیا؟"۔

ماں کے طوفانی جذبات قدرے ٹھنڈے ہوئے تو اشرف

باقی صفحہ ۳۲ پر

مشتاق احمد یوسفی کی تصنیف 'خاکم بدہن'

ابن انشا

مزاح نگاری کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ بڑی مشکل صنف ہے۔ مزاح نگار ہر ادب میں کم ہی ہوتے ہیں اور ایسے تو بہت شاذ جیسے ہمارے مشتاق احمد یوسفی ہیں۔ ہم ان کے مشتاق بھی ہیں اور ان سے بیزار بھی۔ مزاح کی کتاب کی ترکیب استعمال یہ ہے کہ پڑھی۔ خوش وقت ہوئے اور بھول گئے۔ لیکن یوسفی کی کتاب کو علمی کتاب کی طرح چوکس ہو کر پڑھنا پڑتا ہے۔ ورنہ بہت سے نکتے باریک تر زمرۂ جُل دے جائیں گے۔ ہر بار مطالعے میں ایک نئی تہہ دریافت ہوگی اور مزاح کا جوہر اُس کی تہہ داری بھی ہوتا ہے۔ پائیداری بھی ایسے ہی مزاح میں ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کی تحریر کی طرح نہیں کہ آج پڑھی کل دوسرا دن۔

شہرتِ عام اور بقائے دوام کے نقارے پر یوسفی نے پہلی چوب آٹھ سال پہلے لگائی تھی۔ ایسی کہ سب کے کان گنگ کر دیئے۔ یہ تھی چراغ تلے۔ وہ چاہتے تو اس ایک کتاب کے بل پر بقیہ عمر گزر بسر کر سکتے تھے لیکن ان کی طبعِ ظریف خلاق بھی واقع ہوئی تھی۔ بہت خست کی پھر بھی آٹھ سال میں آٹھ مضمون ہو ہی گئے۔ آج کل بونس کا رواج بھی ہے لہٰذا دیباچے کو کہ خود ایک مضمون کی ادا رکھتا ہے۔ گھاتے میں رکھئے۔ نام اس نئے مجموعے خاکم بدہن، ہے۔ نام بھی ایسا چُنا کہ ضمیر مشتبہ جگہ پر لگی ہے۔ بلکہ لگائی گئی ہے۔ کس کی خاک اور کس کا منہ؟۔ سوچتے رہیئے اور ڈھول بجاتے رہیئے۔

بعض پڑھنے والوں کی یہ نفسیات ہے کہ وہ مصنف کو اس کی پہلی کتاب کی روشنی ہی میں دیکھتے رہتے ہیں اور کسی قسم کا ارتقا انہیں اجنبی معلوم ہوتا ہے ان کی طرف سے مصنف نے خود ہی معذرت کر دی ہے کہ۔

"جن قدر دانوں کو ہماری پہلی کتاب میں تازگی، زندہ دلی اور جواں سالی کا عکس نظر آیا۔ ممکن ہے اُن کو دوسری میں کہولت کے آثار دکھائی دیں۔ اس کی وجہ یہی تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کی عمر میں آٹھ سال کا اضافہ ہو چکا ہے۔"

چونکہ ہماری رائے یہ نہیں بلکہ ہمارا خیال ہے کہ خاکم بدہن میں یوسفی کے مزاح کی منفرد روایت آگے بڑھی ہے لہٰذا ہم سمجھتے ہیں ہماری عمر میں آٹھ سال کا اضافہ نہیں ہوا۔ مشتاقانِ مشتاق احمد یوسفی کو معلوم ہو کہ اس مجموعے میں اُن کے محبوب کردار مرزا عبدالودود بیگ سے لے کر پروفیسر قاضی عبدالودود بیگ شروع سے آخر تک موجود ہیں بلکہ مرزا صاحب اتنے زیادہ ہیں کہ پوری کتاب مرزا عبدالودود بیگ کے ملفوظات یا سوانح معلوم ہوتی ہے۔ "صفے اینڈ سنز" کہ کتابوں کی دکان سے آغاز کرتے ہیں اور فرنیچر کی دکان پر خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ معیاری کتابوں کی تجارت کا ایک عبرت نامہ ہے۔ خزانچی کی تنخواہ ڈھائی ماہ کی چڑھی ہوئی تھی اس کی بے باقی میں خالی الماریاں گئیں۔ کیونکہ کتابیں تو پہلے ہی اُدھار جا چکی تھیں۔ ایک گولک چونی جو نادہندوں کی فہرستوں سے منہ تک بھری تھی۔ سینی جس کی صرف اوپر کی تین سیڑھیاں باقی تھیں... اور نومبر سے دسمبر تک کا مکمل کیلنڈر کیل سمیت۔ پھر "بارے آلو کا کچھ بیاں ہو جائے" ایک نیا ایڈونچر جسکی جان منٹگمری کا ایک ہوٹل ہے جس میں ایک ہی کمرہ تھا اور اس کے ساتھ اٹیچڈ باتھ روم کی بجائے اٹیچڈ تنور تھا۔ چارپائی جو بجدم ایک جھٹکے کے ساتھ ان کے نیچے سے کھینچ لی جاتی تھی۔ "جناب۔ فرنیچر خالی کرو" کیونکہ از روئے ضابطہ فوجداری ہوٹل ہذا۔ فجر کی اذان کے بعد "لینجر" کو چارپائی پر سونے کا حق نہ تھا۔ اس ہوٹل میں ہر چیز ملتی تھی لیکن آلو کے گلے میں بندھی ہوئی

ایک مضمون "پروفیسر" ہے۔ یہ اپنے پروفیسر قاضی عبدالقدوس کی مدح میں ہے۔ "آدمی ایک بار پروفیسر ہو جائے تو عمر بھر پروفیسر ہی رہتا ہے۔ خواہ بعد میں سمجھ داری کی باتیں ہی کیوں نہ کرنے لگے" "آگے جینے مرنے کے خاندانی نسخوں کی شرح "ہوئے ہم جو مر کے رسوا" میں پائیے گا۔ پھر "ہل اسٹیشن" کا احوال ہے جہاں۔ "سارے ملک کے لاعلاج رؤسا اور متمول لاغروں کا عظیم الشان میلہ لگتا ہے جس میں وسیع پیمانے پر تبادلۂ امراض ہوتا ہے" بائی فوکل کلب، اور چند تصویر بتان، میں بھی دامنِ دل می کشد والی ہزار باتیں ہیں۔ اور اس کی ہر بات میں ہے اک اک بات۔ لیکن ناناہری اور سیزر والا مضمون اس مجموعے کا خاص مضمون ہے اور اس میں بھی سیزر کا کردار یہ ایک کتا ہے۔ جس کا مذکور آپ کو پہیم گدگداتا ہوا آخری تین صفحوں میں ایک نیا پلٹا لیتا ہے۔ اور یہ نیا پلٹا آپ کے دل میں ایک عجیب کسک چھوڑ جاتا ہے۔

یوسفی ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب کہ زبان وادب کی باریکیوں پر لوگوں کی نظر نہیں ورنہ ہم انہیں بیش قرار تنخواہ دے کر اور خلعت فاخرہ عطا کر کے بٹھا دیتے کہ بیٹھے ضرب الامثال اور اقوالِ حکمت گھڑتے رہیئے ان کی ٹکسال کے سکے "تو چراغ تلے" کے زمانے کے ہی اب تک چل رہے ہیں لیکن "خاکم بدہن" میں کچھ اور نکھار آگیا ہے۔

مزاح، مذہب اور الکحل ہر چیز میں بآسانی حل ہو جاتے ہیں۔

طعن و تشنیع سے اگر دوسروں کی اصلاح ہو جاتی تو بارود ایجاد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تاریک۔ دوسرا زیادہ تاریک۔

چند ترکیبیں دیکھئے۔

ناواقفیت عامہ۔ جیّد جاہل، دہن رسا، (کتے کے لئے) حملۂ معترضہ۔ واردتِ کلبی، کتوں کے پیشے لگ گئے تھے۔ ابتدائے سنِ بدتمیزی سے۔

یہ قول مشتاق احمد یوسفی ہی کا ہے۔ حضرت جوش ملیح آبادی کے باب میں۔ کہ "زبان اُن کے گھر کی لونڈی ہے اور اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک بھی کرتے ہیں" مثالیں دینا ہمارا شیوہ نہیں۔ لیکن اس کتاب کا کیا کیا جائے کہ ہر صفحہ جا بجا ست کی منادی دیتا ہے۔ "اگر وہ عام پسند کی کتابیں بھی رکھ لیتے تو گاہک دکان سے اس طرح نہ جاتے جیسے سکندر دنیا سے گیا تھا۔ یعنی دونوں ہاتھ خالی۔

وہ چھوٹا دیکھنے نہ بڑا۔ ہر کسی کے ساتھ ڈیل کا رینگی کیا کرتے تھے۔

قرض دینے سے دکانداری چل نکلی۔ دکان ٹھپ ہو گئی۔

قدرت نے اُن کے ہاتھ میں ایسا جس دیا تھا کہ سونے

کو چھوڑیں تو مٹی ہو جائے۔

غلطی ہماری تھی کہ کتے کو مثل اپنی اولاد کے پال رہے تھے۔ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کر ——

مزا اتنے وہمی اور محتاط واقع ہوئے ہیں کہ انہیں آبِ حیات بھی پینا پڑے تو اُبال کر پئیں گے۔

پولیس اگر دل سے چاہے تو تمام اچھی اچھی کتابوں کو فحش قرار دے کر نوجوانوں میں اردو ادب سے گہری دلچسپی پیدا کر سکتی ہے۔

ایک کتیا کا ذکر ہے۔

چال جیسے قرۃ العین حیدر کی کہانی۔ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتی ہوئی۔

چوکیداری کے لئے چنداں بُری نہ تھی کہ اپنی عزت و آبرو کے علاوہ ہر چیز کی بخوبی حفاظت کر سکتی تھی۔

اور یہ سینر کا ذکر ہے!

سینر کی موجودگی سے سہیلیوں کی صحت پر نہایت خوشگوار اثر پڑا۔ توپ خانے کے سامنے سے گذرتے ہوئے۔ لدھڑ سے لدھڑ پڑوسی کی چال میں ایک عجیب چوکنا پن، ایک عجیب چستی اور لپک جھپک پیدا ہو جاتی تھی۔ سینر منٹوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کرا دیتا تھا۔

جسم کے ساتھ نظر اتنی موٹی ہو گئی تھی کہ کبھی پروفیسر عبدالقدوس اجلے کپڑے پہن کر آ جاتے تو انہیں اجنبی سمجھ کر بھونکنے لگتا۔

خواتین کے ذکر میں ہمارے یوسفی صاحب کے قلم میں عجب جولانی آ جاتی ہے۔ بلکہ اس پیمانے سے دیکھئے تو ان کی عمر میں آٹھ سال کے اضافے کے بجائے شاید آٹھ سال کی کمی ہی ہوئی ہے۔ چند تصویر بتاں میں تو خیر ان کے یہ کردار —— یا کردار یں جا بجا بکھری ہیں اور جگہ بھی —— مثلاً ایک میم کا ذکر ہے۔

کافی میں چینی کے چار دانے بھی ڈالتی ہیں یا انہیں کوئی میٹھی نظر سے دیکھ لے تو اُس کی کیلوریز کا حساب اپنی دھوبی کی کاپی میں رکھتی ہیں۔

"مزا کیا میمیں بھی دھوبی کی کاپی رکھتی ہیں۔"

"ہاں۔ ان میں جو کپڑے پہنتی ہیں۔ وہ رکھتی ہیں۔"

یہ بھی ایسی ہی کسی عفت ماب کا ذکر ہے۔

شریف خاتون —— خوب صورت اور آوارہ —— اردو انگریزی، فرنچ اور جرمن فراٹے سے بولتی تھی لیکن کسی بھی زبان میں نہ، کہنے کی قدرت نہ رکھتی تھی

یوسفی کے مزاح کی چند خصوصیات ہیں۔ جنہیں جاننے والے جانتے ہیں۔ ان کے ہاں مزاح واقعاتی یا سانحاتی نہیں ہے۔ بلکہ گفتگو اور تبصرے کا ہے۔ شستگی اس مزاح کا جوہر ہے اور اس میں اس طرح کی خود کلامی ہے۔ جیسی کسی ذاتی ڈائری میں ہوتی ہے۔ اس میں خلوص بھی ہوتا ہے۔ جس مزاح میں یہ شائبہ ہو کہ گیلری کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے اس میں خواہی نخواہی چپر اس مارنے کی اور فرمائش کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اگر مزاحی ادب کے موجودہ دور کو ہم کسی نام سے منسوب کر سکتے ہیں تو وہ یوسفی ہی کا نام ہے اور ان کا یہ رنگ منفرد رہے گا۔ کیونکہ اس کی تقلید نہیں کی جا سکتی۔ اس خوب صورت اور شستہ کتاب کو جیسا ملبوس چاہیئے تھا۔ خوش ذوق پبلشر نے ویسا ہی پہنایا ہے یہ کتاب صرف پڑھنے کی نہیں پڑھ کر رکھنے کی بھی ہے

"خاکم بدہن" —— از مشتاق احمد یوسفی —— پاک پبلشرز لمیٹڈ۔ کراچی —— ۳

(قیمت، نو روپے)

بقیہ: دینی مسائل کا تعین بھی ضروری ہے (صفحہ ۱۵ سے آگے)

علمائے دین میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جن کے خلاف اس وقت کے سلطان کے حکم سے مولوی صاحبان نے فتویٰ بھی دیا موجودہ ایران کا موسس کوئی مجتہد نہیں بلکہ رضا شاہ کبیر تھے جن کی دانشمندانہ حکومت نے ایران کو مضبوط اور بیرونی قوتوں سے آزاد کیا۔ پاکستان کی تحریک کا موسس کوئی عالم دین نہیں تھا بلکہ قائداعظم مرحوم جنہوں نے بارہا فرمایا کہ میں مسلمانوں کا مذہبی لیڈر نہیں بلکہ پولٹیکل لیڈر ہوں۔ اور جن کے خلاف اس زمانے کے اکثر علمائے دین تھے، جن میں بعض ان کی قائم کردہ مملکت سے استفادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر مجھے تعجب اور تعجب ہے کہ اتنی نمایاں مثالوں سے چشم پوشی کر کے پیر صاحب نے ایک خلاف واقعہ بات بڑے زور و شور سے بیان کر دی ہے

پیر صاحب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ جب دین کے بارے میں کوئی مسئلہ درپیش ہو۔ تو ہمیں علمائے دین کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ لیکن اس ضمن میں دو ضروری سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کہ ان مسائل کا تعین ہونا چاہیئے جن کو صحیح معنوں میں دینی مسائل کہا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مذہب کی ہمہ گیری کے نظریئے کی بناء پر ہمہ دانی کے زعم میں ہر مولوی دخل در معقولات کر کے ہر قسم کے مسئلے پر جس کا تعلق خواہ فلکیات سے معاشیات سے یا حیاتیات وغیرہ سے ہو اور جن کے متعلق اس کی معلومات تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ رائے دینا اپنا حق سمجھیگا۔ جس کا نتیجہ عام لوگوں کے لئے سوائے تضاد رائے اور دماغی الجھن کے اور کچھ نہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ ان مولوی صاحبان کی مستند مدرسوں یا یونیورسٹیوں میں باقاعدہ ایسی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیئے جس میں ایک حد تک موجودہ علوم کے شمول کا بھی اہتمام ہو تاکہ وہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو تھوڑا بہت سمجھ سکیں۔ اس تعلیم کے بعد دوسرے طلباء کی طرح ان کا باقاعدہ امتحان ہونا چاہیئے تاکہ ان کی محنت اور قابلیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اور کامیاب طلباء کا باقاعدہ تقرر اور کارگذاری کی بناء پر ان کی ترقی ہونا چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر سکیں۔ اگر اس قسم کا کوئی باقاعدہ نظام قائم نہ کیا گیا۔ تو اس کا نتیجہ سوائے انتشار کے اور کچھ نہ ہوگا اور ہماری قوم کی قیادت ایسے مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں آنے کا اندیشہ ہے جن کی نسبت حکیم الامت نے آج سے کئی سال قبل فرمایا تھا۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھے بے چارا دو رکعت کا امام

زنداں کی ایک صبح

صفحہ ۲۹ سے آگے

نے حیرت سے اُس کے آنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے جب سارا واقعہ بیان کیا تو اشرف نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ میں انہیں اپنے ساتھیوں کا نام بتا دوں۔ مگر میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا —— میں اپنے ساتھیوں سے غداری نہیں کر سکتا۔ چاہے وہ مجھے پھانسی پر لٹکا دیں۔ میں ایک شہید باپ کا بیٹا ہوں —— میں اپنے باپ کی عظمت اور اپنے اصولوں کو حقیر زندگی کے لئے ہرگز قربان نہیں کروں گا"——

اس دوران میں اُس کی ماں جس کے جسم کا ایک ایک عضو نقاہت اور جذبات کے اتار چڑھاؤ سے لرزیدہ تھا خاموشی سے اپنے بیٹے کے چہرے کے تاثرات پڑھتی رہی۔ آج اس کے اندر دوسری بار سکون اور طمانیت کا وہی احساس بیدار ہوا تھا۔ جو اس نے شوہر کی موت کے بعد پہلی بار جوان بیٹے کو گھر کے آنگن میں ٹہلتے ہوئے دیکھ کر محسوس کیا تھا۔ اب اگر حالات نے اس سے اس کا بیٹا بھی چھین لیا تو کیا غم۔ بیٹے کے بعد وہ ان لوگوں کے لئے زندہ رہے گی۔ جن کے لئے اس کے شوہر نے کسی گمنام محاذ پر لڑتے ہوئے جان دی اور اس کا بیٹا جیل کی سختیاں برداشت کرتا ہوا جان دے گا۔

وہ جب جانے کے لئے مڑی تو لمحہ بھر کے لئے ٹھہر گئی دروازے پر سپاہی کھڑا ہوا اسے گھور رہا تھا۔ اُس نے بڑے اعتماد سے کہا۔ بیٹے اپنے ساتھیوں سے ہرگز غداری نہ کرنا۔ چاہے جان چلی جائے اگر تم نے کمزوری دکھائی تو یاد رکھنا میں نے تمہیں جنم دیا ہے میں تمہارا دودھ ہرگز نہیں بخشوں گی۔ کبھی معاف نہیں کروں گی"

مکتوب کوئٹہ

نامہ نگار

بلوچ قومیت کی تحریک اُبھر رہی ہے!

انتخابات قریب ہوتے جا رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی سیاسی سرگرمیاں بھی تیز ہو رہی ہیں۔ نیشنل عوامی پارٹی، مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے رہنما عوام سے رابطہ قائم کرنے کی انتخابی مہم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ بلوچستان کی موجودہ سیاسی بیداری کو دیکھتے ہوئے عام طور پر خیال کیا جانے لگا ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی بات رونما نہ ہوئی تو اکثر و بیشتر نشستیں نیپ جیت لے گی

پاکستان نیشنل عوامی پارٹی جب بھاشانی اور ولی گروپ کے درمیان بٹ گئی۔ تو اس کا اثر بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پر بھی پڑا۔ اور بلوچ طلبا کی یہ تنظیم۔ سردار گروپ اور اس کے مخالف گروپ میں بٹ گئی۔

سردار گروپ فکری طور پر نیپ کے ولی گروپ سے وابستہ ہے۔ ان کے مخالف طلبا نظریاتی طور پر نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) یا پیپلز پارٹی کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔ بی، ایس، او انٹی سردار گروپ طلبا کا کہنا ہے کہ بلوچستان میں ایک ترقی پسند معاشرہ کی تشکیل کے لئے نوابوں، خانوں اور سرداروں کے بھاری الاؤنس فوری طور پر ختم ہو جانے چاہئیں۔ اس کے لئے ایک ٹھوس لائحہ عمل مرتب کیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو عوامی تحریک شروع کی جائے۔ بی، ایس، او (سردار گروپ) کا موقف ہے کہ اکتوبر کے انتخابات میں کامیابی کے بعد ہی پرانے سرداری نظام اور سرداروں کے وظائف ختم کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔ دوسری طرف اینٹی سردار گروپ کا موقف ہے کہ کرسی اقتدار کو اس عوامی مسئلہ سے مشروط کرنے کا مطلب عوامی جدوجہد کو کمزور کرنا اور خانوں، نوابوں اور سرداروں کو تحفظ دینا ہے۔ نتیجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر دونوں گروپوں میں اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوتی جا رہی ہے دونوں دھڑوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنے اور اتحاد پیدا کرنے کے لئے اب تک سربراہ اور وہ رہنماؤں کی طرف سے کوئی مثبت کوشش نہیں کی گئی۔

بلوچ قومیت کی تحریک کا نیا انداز

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے۔ کہ بلوچستان میں بلوچ قومیت کی تحریک ایک نئے انداز میں اُبھر رہی ہے اور طلبا اس سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔ بلوچ نیشنلزم کی یہ تحریک طلباء کو کس سمت لے جائے گی، اس کا جواب بائیں بازو کی ترقی پسند جماعتیں ہی دے سکتی ہیں۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (اینٹی سردار گروپ) کے ایک ہنگامی اجلاس میں بی ایس او کراچی کے صدر مسٹر شمشاد، نائب صدر فیض بلوچ اور یونس بلوچ کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اجلاس سے جناب احمد شاہ ہوی

اسکول کی بجائے پٹرول پمپ کی تعمیر

میر دوست محمد اور میر عبدالغنی نے خطاب کیا اور کہا کہ مارشل لا کے ضابطہ ۱۴-الف کے تحت جن ایک سو طلباء کی گرفتاری کے وارنٹ مبینہ طور پر جاری کئے گئے ہیں، انہیں فوراً منسوخ کیا جائے۔ مقررین نے ان گرفتاریوں اور وارنٹوں کے اجرا کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا۔ کہ لیاری میں ایک پلاٹ کی الاٹمنٹ پر عوام اور انتظامیہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ لیاری کے باشندے اور بی ایس او کے اراکین اس قطعہ زمین پر جو ایک اسکول سے ملحق ہے ایک لائبریری کی عمارت تعمیر کرنے کے خواہاں ہیں۔ مگر انتظامیہ نے اسے کراچی کی ایک مقتدر شخصیت کو پٹرول پمپ کی تنصیب کے لئے الاٹ کر دیا ہے۔ بی، ایس، او کے اراکین اور لیاری کے باشندوں کے احتجاج پر انتظامیہ نے طالب علم رہنماؤں کو قید کر دیا۔ اور مزید سو طلباء کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ اس اجلاس میں بلوچ طلباء کی رہائی کے لئے ملک گیر پیمانے پر تحریک چلانے کا مسئلہ بھی زیر غور آیا۔

انتخابات قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی سیاسی سرگرمیاں بھی تیز تر ہو رہی ہیں نیشنل عوامی پارٹی، مسلم لیگ (کونسل اور قیوم) اور جماعت اسلامی کے رہنما عوام سے رابطہ قائم کرنے کی انتخابی مہم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ کسی سیاسی جماعت کی کامیابی کے متعلق پیش گوئی تو قبل از وقت ہو گی مگر بلوچستان میں موجودہ سیاسی بیداری کو دیکھتے ہوئے عام طور پر خیال کیا جانے لگا ہے کہ اگر کوئی غیر معمولی بات رونما نہ ہوئی تو اکثر و بیشتر نشستیں نیپ جیت لے گی۔

نیشنل عوامی پارٹی اور قیوم لیگ کے زہری برادران کے درمیان جو کوئلہ اور دیگر معدنی ذخائر کے اجارہ دار ہیں۔ انتخابی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ پہلا معرکہ ٹاؤن ہال کے پارک میں ہوا۔ سرحد کے "مردِ آہن" خان عبدالقیوم نیپ کے رہنماؤں کو ناکوں چنے چبوانے کے لئے یہاں بہ نفس نفیس تشریف لائے تھے۔ زہری برادران نے اس تقریب پر چار پانچ لاکھ روپے پانی کی طرح بہا دیئے۔ مگر بات پھر بھی نہ بن سکی۔ اور خان اعظم بڑے بڑے پوسٹروں اور اشتہاروں کے آئینہ میں اپنا ماضی، حال اور مستقبل دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔ جب وہ اسٹیج پر آئے۔ تو یہاں بھی انہیں مخالفانہ نعروں کا سامنا کرنا پڑا۔

"بابڑہ کے قاتل واپس جاؤ"

بہر حال خان اعظم آئے اور اپنے سیاسی مخالفوں کو مرصّع گالیوں سے نوازنے کے بعد پولیس کی حفاظت میں زہری ہاؤس واپس تشریف لے گئے۔

بلوچستان میں یہ نہ صرف قیوم لیگ کی پہلی شکست تھی، بلکہ زہری برادران کی بیس سالہ "ساکھ" بھی خاک میں مل گئی۔

معدنی ذخائر کے یہ مقامی اجارہ دار آج تک اپنی دولت، بلند و بالا عمارات اور جاہ و حشمت کے بل بوتے پر سیدھے سادھے بلوچ عوام کو اپنے ذاتی مفادات پر قربان کرتے آئے تھے مگر انہیں یہ دیکھ کر واقعی دکھ ہوا ہو گا کہ بلوچ عوام اب ان کی دولت، اور شان و شوکت سے مرعوب ہونے کے لئے

تیار نہیں۔

نیپ نے زہری برادران کے مرکز ضلع چاغی میں جلسہ کا اہتمام کیا۔ عام خیال تھا کہ نیپ ضلع چاغی میں کامیاب نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ زہری برادران کے معدنی ذخائر اسی ضلع میں ہیں۔ مگر نیپ نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ بے سروسامان رہنماؤں اور کارکنوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ نوشکی پہنچا۔ شہر کی تمام دوکانیں بند ہو گئیں آس پاس کے دیہات سے ہزاروں افراد آئے۔ بوڑھے اور جوان نیپ کے رہنما سردار عطاء اللہ مینگل کی تقریر سننے آئے۔ انہوں نے عام فہم زبان میں لوگوں کو بتایا

بلوچستان کے اصل مالک بلوچ عوام ہیں۔ اگر ہماری تنظیم آئندہ انتخابات میں کامیاب ہوئی تو ہم سرداروں نوابوں، جاگیرداروں اور اجارہ داروں کے استحصالی نظام کو ختم کر دیں گے۔ ہم ایک ایسے معاشرہ کے قیام کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ جس میں ہر شخص کو روٹی، کپڑا اور مکان ملے۔

اسپورٹ لائسنسوں کے عوض قوم کی خدمت کرنے والے سرداروں، نوابوں اور معتبروں کے سرکاری وظائف اور دوسری مراعات ختم کی جائیں گی اور یہ رقوم عوامی تعلیم اور صحت پر صرف کی جائیں گی۔

ضلع چاغی میں نیپ کے کامیاب اجتماعات کے بعد زہری برادران نے چاغی کے عوام کو خطاب کرنے کا پروگرام بنایا۔ بیش قیمت موٹروں، جیپوں اور ٹرکوں میں قیوم لیگ کے لیڈر اور کارکن بڑے طمطراق سے نوشکی پہنچے۔ مگر وہ دیواروں پر زہری برادران کے خلاف مخالفانہ نعرے اور مضحکہ خیز کارٹون دیکھ کر حوصلہ ہار بیٹھے معدنی ذخائر کے اجارہ داروں کی دولت یہاں بھی کام نہ دے سکی۔ بہر حال ایک مختصر سا جلسہ ہوا۔ کچھ سوالات کئے گئے۔ جن میں سے چند کے جوابات دے دیئے گئے اور باقی کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا۔

قیوم لیگ کے ذعما کا خاران اور نوکنڈی میں بھی جلسے منعقد کرنے کا پروگرام تھا۔ مگر بروقت یہ اطلاعات مل گئیں، کہ ہر جگہ ان کا مخالفانہ نعروں سے استقبال کیا جائے گا، چنانچہ قیوم لیگ کے رہنماؤں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ راتوں رات واپس کوئٹہ پہنچیں۔

نیپ نے زہری برادران جیسے دولتمند اور معدنی ذخائر رکھنے والوں کو ان کے اپنے ہی گھر میں شکست دے دی۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ زہری برادران جو ہمیشہ دولت کے بل بوتے پر اسمبلیوں کی نشستوں پر قبضہ کرتے آئے ہیں۔ آئندہ انتخاب میں بھی کامیاب ہو سکیں گے؟

مکتوب پشاور — نمائندہ خصوصی

یہ جون کی پیاسی اور اجاڑ بستیاں

بستی کی گرمی کے چرچے تو آپ نے بہت سنے ہوں گے بس یوں سمجھ لیجئے کہ ڈیرہ اسماعیل خان صوبہ سرحد کا سبی ہے۔ ایک تو یہ قیامت کی گرمی اس پر ستم یہ کہ پانی کا توڑا لنڈی کوتل کا پورا بازار جل گیا اور آگ بجھانے کو پانی نہ ملا۔ ڈیرہ کا یہ عالم ہے کہ دل جل رہے ہیں اور ایک قطرہ نہیں ملتا لوگ قطرے قطرے کا حساب چکا رہے ہیں۔ آنسوؤں سے منہ دھو رہے ہیں۔ پسینے میں نہا رہے ہیں۔ خون دل سے پیاس بجھا رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے ہماری ساری روایتی شاعری وہاں عملی زندگی میں ڈھل کر انسانوں پر مسلط ہو گئی ہے۔ فریاد سوکھے حلقوم سے پہلے تو مشکل ہی سے نکلتی ہے۔ پھر نکلے بھی تو سنے کون جبکہ زمین سخت اور آسمان دور ہے۔

بنوں کے نوشہرہ اور پشاور میں اغوا کی وارداتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ بچے تو ایک طرف رہے نوجوان اور بوڑھے تک اغوا ہو رہے ہیں۔ اغوا کے بعد باقاعدہ سودا چکایا جاتا ہے۔ اور معقول رقم لے کر رہائی عمل میں آتی ہے اور اب تو لوگوں کو نوٹس ملنے لگے ہیں کہ فلاں مقام پر اتنی رقم پہنچا دو ورنہ اغوا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہاں کے آزاد قبائل کو حکومت پاکستان کی طرف سے گوناگوں مراعات حاصل ہیں۔ حکومت کی نرمی کو وہ ہمیشہ اس کی کمزوری سمجھتے رہے ہیں اب جب کہ معاملہ حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ اور اس علاقے کے شہریوں کی عزت آبرو اور مال و جان تک محفوظ نہیں حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اپنی پالیسی تبدیل کرے اور ایسی موثر کارروائی کرے کہ آئندہ کے لئے ایسے واقعات کا سد باب ہو سکے۔

ایک مقامی اخبار میں پشاور یونیورسٹی کے مسٹر نصیر الدین کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں ریڈیو پاکستان پشاور کے ڈائرکٹر اور اس کے عملے پر نہایت سنگین الزامات لگائے گئے ہیں۔ اور ان کا جواب بھی طلب کیا گیا ہے اس خط میں یہ بتایا گیا ہے کہ ریجنل ڈائرکٹر اسٹیشن کے انتظامی امور میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے اور اپنی بعض کمزوریوں کے سبب اپنے عملے کے سامنے بالکل بے بس ہیں۔ ایک الزام یہ ہے کہ پروگراموں کی تقسیم اہلیت کے معیار پر نہیں بلکہ طے شدہ کمیشن کے تحت ہوتی ہے۔ ڈائرکٹر صاحب پروگراموں کی بہتری سے زیادہ نچلے عملے کی خوشنودی کو عزیز رکھتے ہیں۔ ادبی پروگرام غیر ادبی لوگوں کو دیئے جاتے ہیں۔ بعض پروگرام فرضی ناموں سے نشر کر کے ان کی رقم ہتھیا لی جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ سنگین الزام یہ ہے کہ اس اسٹیشن کا ماحول شریف خاندانوں کے لئے سازگار نہیں۔

یہ نہایت سنگین الزامات ہیں حکومت کو چاہیئے کہ معاملہ کی چھان بین کر کے، اپنے اہلکاروں کی پوزیشن واضح کرے۔

حال ہی میں قیوم لیگ کے دفتر سے جاری شدہ ایک ہینڈ آؤٹ میں بتایا گیا ہے کہ موضع ڈاگ بیو د کے دو ہزار افراد پاکستان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ضلع پشاور کی مردم شماری کی رپورٹ میں باب پنجم صفحہ ۳۴ پر ڈاگ بیو کی کل آبادی ۱۸۷۵ درج ہے۔ گویا ۱۸۷۵ افراد کی آبادی جن میں بچے بوڑھے اور خواتین بھی شامل ہیں۔ ان میں سے دو ہزار افراد قیوم لیگ میں چلے گئے۔ آپ کو حیرت ضرور ہو گی لیکن حساب کتاب کے چکر میں پڑنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ اسے کہتے ہیں، اندھا کھاتہ، اور اس کی ایجاد کا سہرا قیوم خان کے سر ہے جس نے اپنے دور میں صرف ۱۱ عورتوں سے دو ہزار زنانہ ووٹ بنا ڈالے تھے اور جس حلقے میں اڑھائی ہزار ووٹ تھے اس کے بیلٹ بکس سے چار چار ہزار بیلٹ پیپر برآمد ہوئے۔ ظاہر ہے جہاں حساب کتاب اس نوعیت کا ہو۔ وہاں ۱۸۷۵ کی آبادی سے دو ہزار کا قیوم لیگ میں شامل ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

پشاور میں اساتذہ کی قلم چھوڑ ہڑتال کو ایک ہفتہ ہو چکا ہے حکومت نے ان کے جوتے گریڈ مقرر کئے ہیں۔ وہ انہیں قبول نہیں کیونکہ اس میں صرف بی ایڈ اساتذہ کو کافی رعایت دی گئی ہے جب کہ جے وی اور ایس وی اساتذہ کو نظر انداز کر دیا ہے نیز پرانے اساتذہ کو بھی نئے گریڈ سے کوئی فائدہ نہیں اب حالت یہ ہے کہ اسکول کھلے ہیں بچے اس طوفانی گرمی میں اسکول جاتے ہیں۔ لیکن اساتذہ ہڑتال پر ہیں۔ اس لئے پڑھائی نہیں ہوتی بلکہ پٹائی ہوتی ہے۔ بچے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اور گھروں کو لوٹتے ہیں والدین حیران و پریشان ہیں کہ آخر انہیں یہ کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟

گذشتہ روز اساتذہ کے مطالبات کی حمایت میں اسکولوں کے لڑکوں نے جلوس نکالا اور توڑ پھوڑ بھی کی، یہ ایک تشویشناک بات ہے جو آگے چل کر حکومت

باقی صفحہ ۴۶ پر

حسین اعظمی

امریکہ کے سونے کے ذخائر آدھے سے بھی کم رہ گئے

نظام زر پر ویت نام کی جنگ کا اثر

گذشتہ دو سال کے عرصے میں متعدد بار سرمایہ دار ملکوں کے مالیاتی نظام شدید بحران سے دوچار ہو چکے ہیں۔ پہلے نومبر ۱۹۶۷ء میں اس کی زد اسٹرلنگ پونڈ پر پڑی اس کے بعد فروری اور مارچ ۱۹۶۸ء میں سونا اور ڈالر اس کی لپیٹ میں آئے ۱۹۶۹ء کے وسط میں متعدد بحرانوں کے بعد بالآخر اسٹرلنگ پونڈ اور ڈالر اس کی یلغار سے نہ بچ سکے۔ ابھی یہ طوفان ٹلنے نہ پایا تھا کہ فرانس کے فرانک کی حیثیت متزلزل ہو گئی یہ سب سرمایہ داری کے مالی بحران کی مختلف شکلیں تھیں حالانکہ ان میں سے ہر ایک کا روپ خاص حیثیت کا حامل تھا اور ہر ایک کا پس منظر جداگانہ تھا۔

سامراجی ملکوں کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے بین الاقوامی منڈیوں میں ادائیگیوں کا توازن بُری طرح بگڑ جاتا ہے۔ ترقی پذیر اور پسماندہ ملکوں کا غیر موافق تجارتی توازن ایک کہنہ مرض کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

اقتصادی اور مالی بحران سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کا جزو لازم ہے۔ جب تک اس ظالمانہ اور سودی نظام کی لعنت ہم پر مسلط رہے گی اقتصادی اور مالی بحران ہماری زندگیوں میں زہر گھولتے رہیں گے۔

سامراج کی اجارہ داری

اس بحران کا ایک اہم سبب سامراجی اور ترقی یافتہ ملکوں کا استحصال ہے۔ سامراجی اجارہ دار ملک، ترقی پذیر ملکوں کی خام اشیاء اور پیداوار کی غیر مناسب حد تک کم قیمتیں مقرر کرتے ہیں چونکہ ان ملکوں کی پیداوار پر ان سامراجی ملکوں کی اجارہ داری قائم ہے اس لئے وہ انہی قیمتوں پر اپنا مال بیچنے پر مجبور ہوتے دوسری طرف سامراجی ممالک اپنی مصنوعات ترقی پذیر ملکوں کے ہاتھوں منہ مانگے داموں پر فروخت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ادائیگیوں کا توازن بگڑ جاتا ہے جس کے باعث اکثر ممالک وقتاً فوقتاً مالی بحران کا شکار ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۶۸ء میں ترکی کو بین الاقوامی تجارت میں دو ارب پچاس کروڑ لیرا کا، بھارت کو ۵ ارب ۷۰ کروڑ روپیہ کا اور پاکستان کو ایک ارب چالیس کروڑ روپے کا خسارہ رہا۔ یہ توقع بھی نہیں کی جا سکتی کہ مستقبل قریب میں مذکورہ بالا ملکوں کی مالی پوزیشن بہتر ہو جائے گی۔

برطانیہ کا مالی بحران

عالمی اقتصادی بحران کی اصل وجہ سامراجی ملکوں بالخصوص امریکہ کی جارحانہ پالیسی ہے۔ اسلحہ کی دوڑ اور اسلحہ جمع کرنے کا جنون نیز مقامی جنگیں بھی مالی بحران کی ذمہ دار ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ بیرونی ملکوں میں سینکڑوں فوجی اڈے قائم کئے ہوئے ہیں۔ اور ان اڈوں کے تمام مصارف زرمبادلہ کی شکل میں ادا کئے جاتے ہیں۔ امریکہ ہر سال ویت نام کی جنگ میں ۲۵ ارب تا ۳۰ ارب ڈالر خرچ کر رہا ہے۔ گذشتہ ۱۹ سال کے دوران میں امریکہ کے سونے کے محفوظ ذخائر میں پچاس فیصد سے زیادہ کمی آ چکی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں امریکہ کے پاس ۲۲ ارب ۸ کروڑ ڈالر کی مالیت کا سونا محفوظ تھا لیکن ۱۹۶۹ء میں صرف ۱۱ ارب ۲۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا سونا رہ گیا۔ اور یہ سب کچھ ویت نام کی جنگ کا نتیجہ ہے۔

نومبر ۱۹۶۷ء کے اسٹرلنگ پونڈ کے بحران کے نتیجے میں نہ صرف اسٹرلنگ پونڈ کی قیمت گرائی گئی بلکہ اس کے نتیجے میں بہت سے ایسے ملکوں کی کرنسیوں کی بھی قیمت گرانی پڑی جو اسٹرلنگ پونڈ سے وابستہ تھیں۔

برطانیہ کے مالی بحران کی ایک وجہ تو برطانوی آبادیات کی آزادی تھی جس کی وجہ سے وہ سرچشمہ ہند ہو گیا جو برطانوی استعمار، اقتصادیات اور سیاسیات کی آب یاری کرتا تھا۔ اس کے باوجود ابھی تک برطانوی حکومت اپنی سابقہ سامراجی پالیسی پر کاربند ہے۔ مشرق بعید میں اپنے فوجی اڈے اور فوجیں رکھے ہوئے ہے۔ دوسرے مغربی ملکوں کے مقابلہ میں برطانوی صنعتوں کی پیداوار اور برآمد گھٹ گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زرمبادلہ کی کمائی میں بھی کمی آ گئی۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر برطانیہ کی ادائیگی کا توازن اس کے حق میں سخت ناموافق ہو گیا۔ اور اس کے سونے کے محفوظ ذخیروں میں بھی ۱۹۵۰ء کے مقابلے میں ۵۰ فیصدی کی کمی آ گئی۔ ۱۹۵۰ء میں برطانیہ کے پاس ۲ ارب نوّے کروڑ ڈالر کی مالیت کے سونے کے محفوظ ذخائر تھے جو ۱۹۶۹ء میں گھٹ کر صاف ایک ارب ۵۰ کروڑ ڈالر کے رہ گئے اور اسٹرلنگ پونڈ کی عالمی ساکھ متزلزل ہو گئی۔ اس صورت حال کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام زر پر ضرب کاری لگی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈالر کی حیثیت جسے سرمایہ دارانہ نظام زر میں محفوظ کرنسی کی حیثیت حاصل تھی ڈانواڈول ہو گئی۔ اسٹرلنگ کی قیمت گرنے کے بعد ڈالر کے بجائے سونے کی مانگ بڑھ گئی

امریکہ نے ڈالر کی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لئے متعدد تدابیر اختیار کیں بیرونی ملکوں میں براہ راست سرمایہ کاری پر کنٹرول کیا گیا نیز نجی سرمایہ کی برآمد پر اور امریکی بینکوں کے غیر ملکی قرضوں پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں ساتھ ہی ساتھ امریکی برآمدات بڑھانے اور امریکہ میں بیرونی ملکوں کی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لئے ضروری اقدامات کئے گئے

لیکن ان تمام اقدامات سے صورت حال بہتر نہیں ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ فوجی اخراجات میں کمی کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ ۶۹ - ۱۹۶۸ء میں اس نے فوجی اخراجات پر ۸۰ ارب ڈالر خرچ کئے۔

ان کثیر فوجی اخراجات کا سارا بوجھ امریکہ کے سونے کے محفوظ ذخائر پر پڑا۔ پونڈ کی قیمت گرنے کے ۶ مہینے کے اندر امریکہ کے سونے کے محفوظ ذخائر میں ۹۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر کی کمی آ گئی۔ ۱۹۶۰ء میں امریکہ کے پاس تقریباً ۱۸ ارب ڈالر کی مالیت کے محفوظ ذخائر تھے جو ۱۹۶۸ء میں گھٹ کر دس ارب پچاس کروڑ ڈالر کی مالیت کے رہ گئے۔

اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام زر میں بحران کا بنیادی سبب امریکہ کی سامراجی جارحانہ پالیسی ہے۔ امریکہ کے باشعور طبقے نے اس حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے وہاں کے نوجوان، مزدور، طالب علم اور دانشور، حکومت کی موجودہ پالیسیوں کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ کے ممتاز تاجر مسٹر تھامس واٹسن نے جو آئی۔ بی۔ ایم کے چیف ایگزیکٹو آفیسر ہیں، متنبہ کیا ہے کہ اگر ویت نام کی جنگ جاری رہی تو امریکہ کی اقتصادیات کو قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

سونے کے محفوظ ذخائر

کاغذی کرنسی کے موجودہ دور میں بھی سونے کے محفوظ ذخائر کو جو اہمیت حاصل ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہر ملک جتنی مالیت کی کرنسی جاری کرتا ہے۔ اتنی مالیت کا

سونا اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ سونے کے ذخائر ہی سے کسی ملک کی مالی حیثیت کو استحکام یا عدم استحکام حاصل ہوتا ہے۔ ذیل میں سرمایہ دار ملکوں کے متعلق چند اعداد و شمار شائع کئے جا رہے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کل کس ملک کے پاس کتنی مالیت کا سونا محفوظ ہے۔

سرمایہ دار ممالک نے ۱۹۴۱ء میں ۱۱۲ ٹن، ۱۹۵۰ء میں ۷۵۱ ٹن سونا اور ۱۹۶۰ء میں ۱۲۸۴ ٹن سونا پیدا کیا۔ ۱۹۶۸ء میں ان ملکوں نے ۱۴۸۱ ٹن سونا کانوں سے نکالا جس کی مجموعی مالیت (سونے کی سرکاری قیمت ۳۵ ڈالر فی پونڈ کے حساب سے) ایک ارب ۴۲ کروڑ دس لاکھ ڈالر تھی۔

جنوبی افریقہ کی یونین ساری دنیا میں سب سے زیادہ سونا پیدا کرتی ہے۔ یہاں ۱۹۴۱ء میں ۴۴۸ ٹن اور ۱۹۶۸ء میں ۹۶۹ ٹن سونا کانوں سے نکالا گیا۔ دوسرا نمبر کینیڈا کا ہے جس کی سونے کی پیداوار ۱۹۵۰ء ۱۳۸ ٹن تھی جو گھٹ کر ۱۹۶۸ء میں ۸۴ ٹن رہ گئی۔ سونے کی پیداوار میں امریکہ تیسرے نمبر پر ہے جہاں ۱۹۵۰ء میں ۷۱ ٹن اور ۱۹۶۸ء میں ۴۷ ٹن سونا نکالا گیا

۱۹۵۰ء میں نئی کانوں سے جو سونا نکالا گیا اس کا دو تہائی حصہ نجی ذخیرہ اندوزوں، جوہریوں اور صنعتوں میں استعمال کرنے والوں کے پاس چلا گیا اور باقی ۱/۳ سونا ریاست کے محفوظ ذخائر میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۹۶۸ء کے دوران کانوں سے جو سونا نکالا گیا اس کا تقریباً نصف نجی ذخیرہ اندوزوں، جوہریوں اور صنعتوں میں استعمال کرنے والوں کو ملا ہے اور باقی سونا ریاست کے محفوظ ذخائر میں جمع ہو گیا۔

سرمایہ دار ملکوں کے پاس سونے کے جو محفوظ ذخائر تھے اُن میں تقریباً ساٹھ کروڑ ڈالر کی کمی ہو گئی۔

۱۹۵۰ء میں امریکہ کے پاس جو سونا محفوظ تھا اُس کی مالیت ۲۲ ارب ۸۰ کروڑ ڈالر تھی (ساری دنیا کے مجموعی ذخائر کا تقریباً ۷۰ فیصد) ۱۹۶۰ء میں امریکہ کے سونے کے محفوظ ذخائر گھٹ کر صرف ۱۷ ارب ۸۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کے رہ گئے۔ ۱۹۶۵ء میں اُن کی مقدار مزید گھٹی اور ان کی مالیت ۱۴ ارب ۱۰ کروڑ ڈالر رہ گئی ستمبر ۱۹۶۹ء میں صورتِ حال اور بھی خراب ہو گئی۔ سونے کے محفوظ ذخائر کی مالیت صرف ۱۱ ارب ۲۰ کروڑ ڈالر رہ گئی یعنی سرمایہ دار ملکوں کے پاس جتنا سونا تھا اس کا صرف تینتیس فیصد امریکہ کے پاس رہ گیا نیز ۱۹۵۰ء میں امریکہ کے پاس جتنا محفوظ سونا تھا ۱۹۶۹ء میں اس کے نصف سے بھی کم رہ گیا (امریکہ کے سونے کے ذخائر میں اتنی کمی ہونے کی بنیادی وجہ امریکہ کی جارحانہ سامراجی پالیسی اور ویت نام کی جنگ ہے)

امریکہ کے علاوہ برطانیہ کے سونے کے محفوظ ذخائر بھی مسلسل گھٹتے چلے جا رہے ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں برطانیہ کے پاس ۲ ارب ۹۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا سونا تھا۔ لیکن ۱۹۶۹ء کے وسط میں ان ذخائر کی مالیت گھٹ کر ایک ارب اور پچاس کروڑ ڈالر رہ گئی بالفاظ دیگر برطانیہ کے سونے کے ذخائر میں بھی تقریباً پچاس فیصد کی کمی ہو گئی۔

اس عرصے میں مغربی جرمنی کے سونے کے محفوظ ذخائر میں نہ صرف اضافہ ہوا بلکہ مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں مغربی جرمنی کے پاس سونے کے ذخیروں کی مالیت عملاً صفر کے برابر تھی ۱۹۵۵ء میں اس کے پاس ۹۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا سونا جمع ہو گیا ۱۹۶۰ء میں ان کی مالیت بڑھ کر تین ارب ڈالر ہو گئی اور ستمبر ۱۹۶۹ء میں ان کی مالیت مزید بڑھ کر چار ارب ۶۰ کروڑ ڈالر ہو گئی۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ سرمایہ دار ملکوں میں امریکہ کے بعد مغربی جرمنی کے پاس سب سے زیادہ سونا ہے۔

۱۹۵۰ء میں مشترکہ منڈی کے چند ملکوں کے پاس مجموعی طور پر ایک ارب ۸۰ کروڑ ڈالر کی مالیت کا سونا تھا لیکن ستمبر ۱۹۶۹ء میں ان محفوظ ذخائر میں مزید اضافہ ہوا۔ اُن کی مالیت بڑھ کر ۴ ارب تیس کروڑ ڈالر ہو گئی۔ ۱۹۶۹ء میں تمام سرمایہ دار ممالک کے سونے کے کل محفوظ ذخائر کے ۳۷ فیصد ذخائر مشترکہ منڈی کے ملکوں کے پاس ہیں۔

۱۹۵۰ء میں دنیا کے تمام ترقی پذیر ملکوں کے پاس سونے کے مجموعی محفوظ ذخائر کی کل مالیت ۱۳ ارب ڈالر تھی جو ۱۹۶۹ء میں بڑھ کر ۱۳ ارب چالیس کروڑ ڈالر ہو گئی۔

م اسلم ملک

دریچے

"اخلاقی عقائد کی بہت سی گمراہیاں جن کے الفاظ لوگوں کی زبان پر چڑھ گئے ہیں۔ اور ہر موقع پر ان کا استعمال نہایت کثرت سے کیا جاتا ہے۔ نمبر ان کے ایک خیال یہ بھی ہے کہ صلح، جنگ سے اور امن شورش سے بہر حال بہتر ہے لیکن غور کیجئے، تو اس خیال میں جس قدر سچ ہے شاید اس سے کسی قدر زیادہ مقدار میں جھوٹ بھی ہے۔ یہ سچ ہے کہ شورش سے سکون بہتر ہے۔ مگر کس شورش سے، سمندروں کے تلاطم اور خوفناک موجوں کی شورش سے نہ کہ اس زندگی کی شورش سے جس کے جاتے ہی موت کے سکون کا پیغام آ جاتا ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد: مکالمات ابوالکلام

"شروع شروع میں ناک کا مصرف سونگھنا تھا۔ چنانچہ حیوانوں میں ابھی تک اس کا ذوق صحیح موجود ہے کتے اپنی روزمرہ کی زندگی میں زیادہ تر قوت شامہ ہی سے کام لیتے ہیں لیکن انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس نے جوتے اور کپڑے سونگھنا متروک قرار دیا ہے اور اپنے لئے عطریات بنا لئے۔ چنانچہ اونچی سوسائٹی میں لونڈر اور سینٹ کے انتخاب ہی سے انسان کے مذاق کی بلندی و پستی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔

بڑی ناک اونچی ناک، چپٹی ناک بیٹھی ناک اور چھلکی سی ناک کا شمار جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں خوبصورت ناکوں میں نہیں ہوتا۔ لیکن محاورے میں بڑی اور اونچی ناک کا مرتبہ بہت بلند ہے چنانچہ جب کسی کے بارے میں کہا جائے کہ وہ بڑے نام، بڑی ناک والے ہیں۔ تو ہمارا سر ہماری ناک سمیت احترام سے جھک جاتا ہے۔"

سعادت حسن منٹو — ناک کی قسمیں۔

"تو اپنے نفس کو وہ ادب سکھا کہ بے ادب اسے دیکھ کر باادب ہو جائیں، جلوب سکھانے کا ذوق رکھتا ہے۔ وہ بے ادبوں کو اپنا سا بنا لیتا ہے۔ جیسے آہوئے وحشی جو گھر میں دانہ کھاتا ہے وہ اور آہوؤں کو پکڑ لاتا ہے۔ جو اپنے اخلاق کی بنیاد ادب پر رکھتا ہے۔ اس کا فکر استاد ہو جاتا ہے۔ بزرگی کی جڑ ادب سے مستحکم ہوتی ہے۔ تو لالہ و گل کی طرح تھوڑا سا خندہ کر کے سب کا مطبوع ہو۔ نہ یہ کہ ایسے قہقہے لگائے کہ سب کو بیہودہ معلوم ہوں۔ اگر تم سمن عارض اور گل عذار ہو تو زندگی کے سامنے آئینہ رکھ کر اسے نہ چڑاؤ۔ کیونکہ کوئی بدصورت دنیا میں بے مصلحت نہیں ہوتا۔ ایک چینی جس کا رنگ سرخ و سفید تھا زندگی پر ہنسا تو زندگی نے جواب دیا کہ "میرا ایک نقطہ تل تیرے چہرے کیلئے زیب ہے اور تیرا ایک نقطہ میرے لئے عیب ہے۔" مولوی ذکاء اللہ: مضامین ذکاء اللہ

مکتوب لاہور

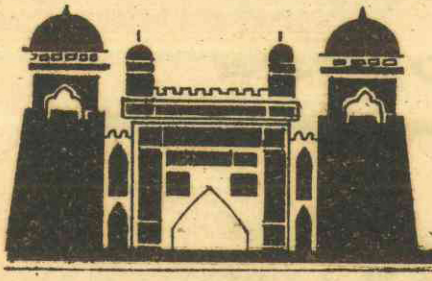

تعلیمی اداروں میں جماعتِ اسلامی کا پروپیگنڈہ

شوکتِ اسلام ڈے کے پوسٹر کالجوں میں

نمائندہ خصوصی:

کسی زمانے میں کہتے تھے کہ پنجاب کا دل لاہور اور لاہور کا دل موچیدروازہ ہے۔ پھر یوں ہوا کہ موچیدروازہ اُجڑ گیا اور اس کے ساتھ جمہوریت کی مانگ بھی۔ سیاسی پارٹیوں نے آمریت کے طویل دور میں موچیدروازہ کا بدل تلاش کرنا چاہا تو انھیں گول باغ میں پناہ ملی۔ لیکن گول باغ کی حالت تو ایک نو دولتیے کی تھی، وہاں سب کچھ تھا، حُسن بھی اور صفائی بھی، لیکن وہاں سے "سیاسی کلچر" مفقود تھا۔ موچیدروازہ اب پھر آباد ہو رہا ہے۔

پچھلے دنوں متحدہ دینی محاذ نے موچیدروازہ میں اپنا جلسہ کیا۔ محاذ میں مولانا غلام غوث ہزاروی کی جمعیت العلمائے اسلام کے علاوہ بہت سی دینی جماعتیں تھیں۔ اس سے جلسہ کی کامیابی کا اندازہ لگائیے کہ نماز عشاء کے بعد جو جلسہ شروع ہوا ہے تو ایک دو بجے تک چلا گیا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری کا زمانہ لوگوں کو یاد آ گیا۔

روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا

جب ہم جلسہ میں پہنچے ہیں تو حمید جیلانی اپنی نظم سنا رہے تھے، عنوان تھا۔ فتویٰ ایک سوتیرہ کا" لیجئے آپ بھی سنئے:۔

سیٹھوں کے ایما پر دیکھا فتویٰ ایک سوتیرہ کا
اُلجھا لاکھوں ناداروں سے فتویٰ ایک سوتیرہ کا

جلسہ کا حاصل مولانا کوثر نیازی کی تقریر تھی۔ انھوں نے کہا کہ آج پہلی دفعہ بریلوی۔ دیوبندی۔ اہلحدیث، شیعہ اور دوسرے تمام فرقوں کے علماء ایک اسٹیج پر جمع ہوئے ہیں ایک زمانے میں علماء نے انگریزی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ آج بھی وہ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ آج آزادی کی جنگ امریکی سامراج کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ جب تک کسی ملک میں ذہنی آزادی نہ ہو۔ وہ ملک آزاد نہیں کہلا سکتا۔ ۲۲ برس گذر گئے اس ملک کو سیاسی طور پر آزاد ہوئے، لیکن اس ملک کے عوام ابھی تک ذہنی غلامی اور اقتصادی غلامی میں جکڑے ہوتے ہیں۔ بائیس خاندان اس ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ اور آج جبکہ قوم بیدار ہونے لگی ہے۔ ان بائیس خاندانوں اور سامراج کے ایجنٹ میدانِ عمل میں نکل آئے ہیں

مولانا نے کہا کہ آج کے اخبارات میں مکہ اور مدینہ کے علماء کا فتویٰ چھپا ہے کہ سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے ماننے والے یہودیوں سے بدتر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر فلسطین پر ناصر کا قبضہ ہو جائے تو ناصر کا قبضہ بدتر ہوگا یہودیوں کے قبضے سے، اس لئے کہ ناصر سوشلسٹ ہیں۔

مولانا نے کہا کہ فتویٰ گری کی یہ مہم سازش ہے سامراجیوں کی۔ میں مکے اور مدینے کے علماء سے کہتا ہوں کہ آپ کی بستی کی خاک بھی ہماری آنکھوں کے لئے باعثِ راحت و آرام ہے، اور ہماری آنکھوں کے لئے نور کا درجہ رکھتی ہے لیکن اس بستی میں ابوجہل اور ابولہب بھی پیدا ہوئے تھے اس ملک کے عوام شخصیت پسند نہیں۔ اس لئے وہ بھلے برے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کے خلاف فتویٰ دینے سے پہلے یہ فتویٰ دو کہ اسلام نے شہنشاہیت اور ملوکیت کو حرام قرار دیا ہے، تم کہ آج بھی ایک بادشاہت کے تنخواہ دار ہو، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے کبھی بادشاہت کے خلاف فتویٰ دینے کی جسارت کی؟ پھر تمہیں پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت کس نے دی؟

ریٹائرڈ فوجی افسروں کے دھڑا دھڑ دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں بالخصوص جماعت اسلامی میں داخل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا کوثر نیازی نے کہا کہ ایک زمانے میں تو ہم نے سن رکھا تھا کہ جماعت اسلامی میں شمولیت کے لئے ہفت خوان طے کرنا پڑتے تھے لیکن اب یہ کیا ہوا کہ ریٹائرڈ فوجی افسر بے دھڑک براہِ راست جماعت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں، اور صرف معمولی رکنیت سے ہی نہیں نوازے جا رہے۔ بلکہ ایک دم لیڈر بنا دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ فوج میں سیاسی جراثیم داخل کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اور فوج کو دائیں اور بائیں بازو میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ ان افسروں کی سیاست میں شمولیت اسی سازش کا حصہ ہے جو پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کے لئے کی جا رہی ہے۔

لاہور میں یوم "شوکت اسلام" کی تفصیلات بعض اخباروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس موقع پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ ایک اندازہ کے مطابق صرف رنگا رنگ اشتہارات کی طباعت پر جو پورے صوبے میں تقسیم ہوئے لاکھوں روپیہ اٹھ گیا۔ لیکن ان مصارف سے قطع نظر افسوسناک بات یہ ہے کہ تعلیمی اداروں، یہاں تک کہ بعض سرکاری اداروں کے وسائل بھی، جماعت اسلامی کی پبلسٹی کے لئے دھڑلے کے ساتھ استعمال کئے گئے۔ درسگاہوں میں انتظامیہ نے طالب علموں سے اس دن کو منانے کی کھلم کھلا تاکید کی۔ چنانچہ لاہور ہی میں لا کالج۔ پنجاب یونیورسٹی، ایم اے او کالج اور نیشنل کالج۔ گورنمنٹ کالج اور اسلامیہ کالج میں سرکاری نوٹس بورڈوں پر یوم شوکت اسلام کے اشتہار لگائے گئے آج تک درسگاہوں کی روایت یہ رہی ہے کہ وہ درسگاہوں سے باہر کے اداروں کے اشتہار کبھی نوٹس بورڈوں پر آویزاں نہیں کرتے لیکن اس دفعہ یہ روایت بھی ٹوٹ گئی۔ اور کئی درسگاہوں نے جماعت اسلامی کا کھلم کھلا ساتھ دیا۔

اساتذہ کا انہماک

لا کالج ہوسٹل میں مغرب کی نماز کے بعد ایک مولوی صاحب کئی دن تک شوکت اسلام کا پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ اسلامیہ کالج سول لائنز کے اکاؤنٹس آفس کا ایک ملازم ۲۸ مئی کو ۸۶۵ 8 ABG ۲ پر تشہیر کرتا رہا اسی طرح اسلامیہ کالج لاہور کینٹ کے پرنسپل صاحب اور انجمن اسلامیہ کے صدر نے لڑکوں کو جلوس میں شریک ہونے کے لئے مجبور کیا۔ ان اسکولوں میں اسلامیہ ہائی اسکول خزانہ گیٹ میں لڑکوں سے بینر بنوائے گئے جو اس جلوس کی زینت بنے۔

لاہور میں ایک تعلیمی سوسائٹی ہے۔ جس کے تحت چند اچھے ادارے چل رہے ہیں۔ جن میں مسلم ماڈل اسکول، سلیم ماڈل اسکول وغیرہ شامل ہیں۔ ان اداروں پر "اسلام پسندوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ مسلم ماڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تو باقاعدہ جماعت اسلامی کے اکابرین میں سے ہیں۔

اسلامیہ ڈگری کالج قصور کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں تاریخ کے ایک استاد، جماعت کے باقاعدہ رکن ہیں انھوں نے اس روز کالج میں چھٹی کرا دی اور طالبعلموں کو "یوم شوکت اسلام" کی رونق افزائی کے لئے گھیر کر لاہور پہنچایا۔

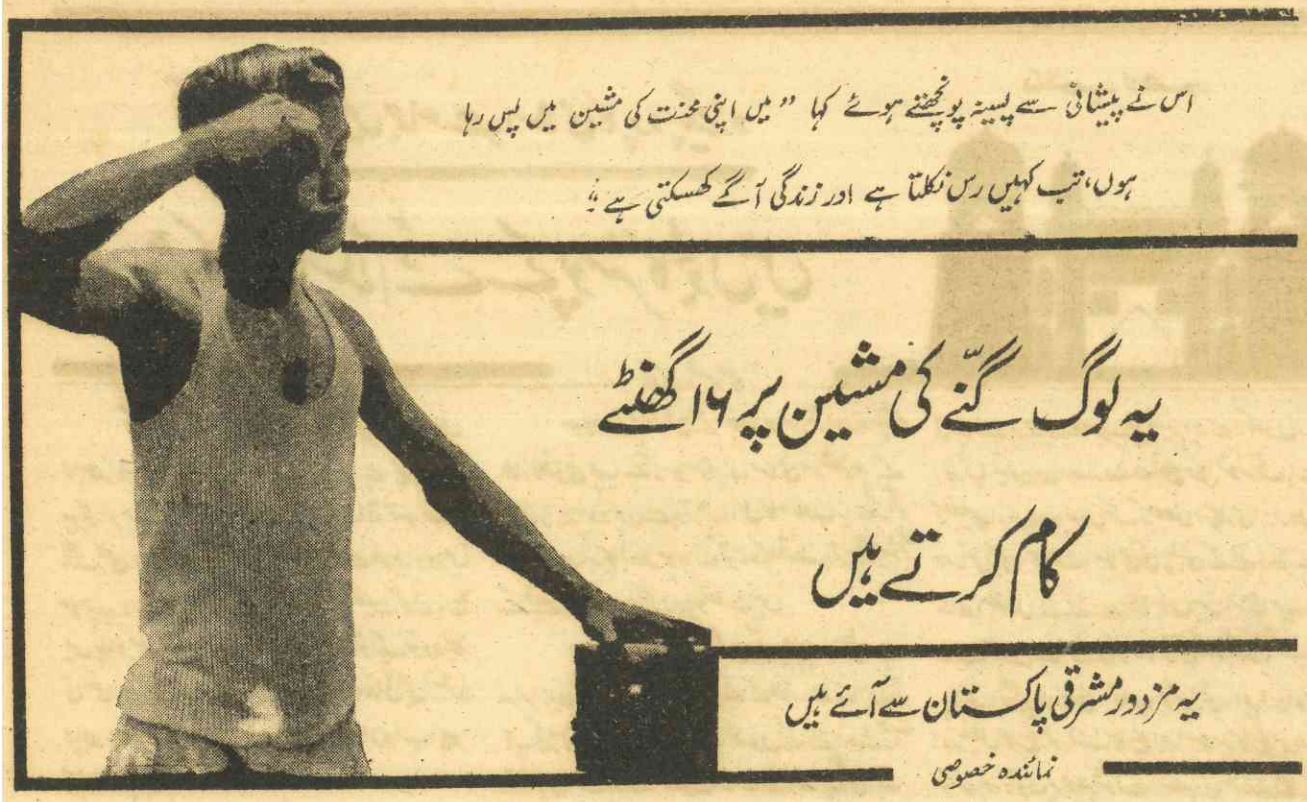

اس نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا "میں اپنی محنت کی مشین میں پس رہا ہوں، تب کہیں رس نکلتا ہے اور زندگی آگے کھسکتی ہے"۔

یہ لوگ گنّے کی مشین پر ۱۶ گھنٹے کام کرتے ہیں

یہ مزدور مشرقی پاکستان سے آئے ہیں

نمائندہ خصوصی

ریگل بس اسٹاپ پر درختوں کے سایہ میں ایک چھوٹی سی ریڑھی پر تین نوجوان کام کرتے ہیں۔ یہاں گنّے کا رس ملتا ہے۔ ایک گلاس چار آنے میں، اس ریڑھی کے تینوں مزدور، مشرقی پاکستان کے رہنے والے ہیں۔ اُن کا مالک بھی مشرقی پاکستان کا ہے۔ وہ شام کو کسی وقت آکر دن بھر کی کمائی وصول کر لیتا ہے اور ملازموں کو اُجرت دے کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔

گنّے کا رس، شہر میں چلتے پھرتے لوگوں کا ایک پسندیدہ مشروب ہے۔ صدر، ایمپریس مارکیٹ، ریگل، مسجد خضراء، بولٹن مارکیٹ، فریئر روڈ، میکلوڈ روڈ، برنس روڈ، گاڑی کھاتہ، بمبئی بازار، اور جونا مارکیٹ کے علاوہ دوسرے بازاروں اور نواحی بستیوں میں ایسی دکانیں اور ریڑھیاں تقریباً تین سو کی تعداد میں ہوں گی۔ جنہیں پٹرول پمپ کی طرز پر گنّے کا پمپ کہنا چاہیئے۔ جہاں نادار اور متوسط حیثیت کے لوگ، لُو دھوپ سے ایک پل کو بچنے کے لئے آجاتے ہیں۔ برف میں لگا ہوا رس پی کر پیاس بجھاتے ہیں اور پیٹ پر ہاتھ پھیر کر برف کی خنکی کو محسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

محمد علی مشرقی پاکستان کے ضلع فرید پور کا رہنے والا ہے۔ وہ صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کے دس بجے تک گنّے کی مشین چلاتا ہے۔ اس کی یومیہ اُجرت ۵ روپے ہے۔ جس روز کام پر نہیں آتا، اس روز اُجرت نہیں ملتی۔ وہ مشین کا دستہ پکڑ کر، سولہ گھنٹے تک اسے گھماتا رہتا ہے۔

محمد علی کا کہنا ہے کہ مجھے اپنی زندگی بھی مشین کی طرح لگتی ہے۔ میں پانچ روپیہ کے گرد ہیئے کی طرح گھوم رہا ہوں۔ میں اپنی محنت کی مشین میں پس رہا ہوں۔ تب کہیں رس نکلتا ہے اور زندگی آگے کھسکتی ہے۔

کراچی میں گنّے کی مشین چلانے والے زیادہ تر مشرقی پاکستان کے نوجوان ہیں، روزانہ دو روپے سے دس روپیہ تک اُجرت ملتی ہے۔ زیادہ اجرت ان دکانوں پر ملتی ہے، جن کی یومیہ آمدنی، دو سو روپیہ سے ساڑھے تین سو روپیہ تک ہوتی ہے۔ یہ کاروبار سردی میں سرد پڑ جاتا ہے، اس لئے پہیئے کے گرد گھومنے والے ہاتھ بیکار ہو جاتے ہیں۔ تب محمد علی کو اپنا فرید پور بہت یاد آتا ہے۔

وہ پہیئے کا دستہ پہروں گھماتا رہتا ہے

محمد علی، یہاں جیکب لائنز کی ایک تاریک جھگی میں اپنے خاندان کے نو ۹ افراد کے ساتھ رہتا ہے، وہ تنہا کمائی کرتا ہے۔ پُر رونق بازار، عالی شان عمارات اور گاڑیوں کی اٹوٹ قطاروں کے شہر کراچی میں اس نے لوگوں کو فاقے سے مرتے بھی دیکھا ہے۔ دراصل وہ کمائی اور دولت کی افسانوی حکایتیں سن کر یہاں آگیا تھا۔ لیکن پھر بہت پچھتایا۔ اب اسے اپنا گاؤں یاد آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عید پر ضرور فرید پور جاؤں گا اور کوئی دھندا نکل آیا تو واپس نہیں آؤں گا۔

محمد بشیر ڈھاکہ کا رہنے والا ہے۔ اس کی عمر ۱۹ سال ہوگی۔ وہ بھی عقب جیکب لائن کی ایک جھگی میں اپنی بیوہ ماں، چھوٹے بھائی اور ایک چھوٹی بہن کے ساتھ رہتا ہے۔ تین سال قبل وہ کراچی آیا تھا۔ محمد بشیر بھی روزانہ پندرہ سولہ گھنٹے کام کرنے کے بعد پانچ روپیہ کماتا ہے اتنی محنت کرنے کے بعد بھی اسے اتنا پیسہ نہیں ملتا کہ گھر کا خرچ چلا سکے اب دیکھو نا صاحب میں اپنا چھوٹا بھائی اور چھوٹی بہن کو پڑھانا چاہتا ہوں۔ مگر اتنے پیسے میں

باقی صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ کریں

حُر کے قلم سے

سوشلزم کا سورج سوات سے طلوع ہوگا

سوات کے عوام کا پہلا مطالبہ پاکستانی قانون کا نفاذ ہے۔ اس کے بعد نوکر شاہی، خوانین اور جنگل کے ٹھیکیداروں کا محاسبہ ہے اور زراعت کی طرف خصوصی توجہ ہے۔

سوات میں، کچھ دنوں سے سیاسی بیداری شروع ہوئی ہے۔ کچھ جلسے جلوس ہوئے سیاسی لیڈروں نے ایک دوسرے کے خلاف فردِ جرم پیش کی اور اس کے نتیجہ میں خون خرابہ ہوا۔ اوڈیگرام کے سانحے، اور سوات کے سیاسی حالات کا جائزہ لینے سے پیشتر ہمیں سوات کی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ضرور ڈال لینی چاہیئے اس کے بغیر ہم جدید سیاست کی راہ متعین نہیں کر سکتے۔

سوات قدرتی لحاظ سے ایک ایسا علاقہ رہا ہے۔ جہاں بیرونی حملہ آوروں کو کوئی نمایاں کامیابی نصیب نہیں ہو سکی۔ تاریخ کا واحد فاتح سکندر ہے۔ جو سوات میں کافی عرصے تک خود رہا۔ اور اس لئے اس کی حکومت بھی کچھ عرصہ قائم رہی اس کے علاوہ بدھ حکمران ایسے تھے۔ جو سوات کے ہی رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کی حکومت صدیوں تک اس علاقے پر قائم رہی اور یہیں سے چین کی طرف بدھ مذہب اپنی روایات اور حکومت سمیت گیا۔

سوات میں مرکزیت کا خاتمہ

اسلام کے پھیلنے کے بعد سوات میں مرکزی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ ہر علاقے کا خان ہی اُس علاقے کا حکمران مانا جاتا تھا۔ مختلف ذاتی رنجشوں نے خوانین اور عوام کو ایک پل بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ خون خرابہ اور سر پھٹول ہی نو سو سال کی تاریخ ہے۔ بیرونی حملہ آوروں کے لئے تو یہ متحد ہو جاتے تھے۔ مگر اندرونی طور پر ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں سفر کرنا ناممکن تھا۔ خوانین کے بعد سب زیادہ اثر پیروں کا تھا۔ سید احمد شہید کی وفات کے بعد عوام کو اس تاریکی کا شدید احساس ہونا شروع ہوا جس کو خوانین قائم رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تمام زمینیں آپس میں بانٹ لی تھیں اور اس کے ساتھ ہی تمام اہل حرفہ، اور عالموں کو بھی "تقسیم" کر لیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی سب لوگ اچھوت کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں اب بھی "خانِ ازم" کے پرستار اہل حرفہ کو اچھوت ہی سمجھتے ہیں۔ ان میں نرکھان، لوہار، نائی، دہقان مولوی اور آستانہ دار سب ہی شامل ہیں۔ یہ ہندومت کا وہ اثر ہے۔ جس کو اسلام نو سو سال میں بھی ختم نہ کر سکا

نوکر شاہی کی آمد

اس صدی کے شروع میں سید اکبر شاہ نے علماء اور صوفیاء کی مدد سے سوات کے اندر ایک رفاہی اور کسی حد تک جمہوری حکومت قائم کی۔ مگر جب عبدالغفور المعروف سیدو بابا کے خاندان والوں نے اس حکومت کو کامیابی سے چلتے دیکھا تو انہوں نے چند پیروں کے ذریعے اس پر قادیانیت کا فتویٰ لگوا دیا۔ اور عبدالودود (بانی سابقہ ریاست سوات) نے اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو اپنے راستے سے ہٹا کر خود حکمرانی شروع کر دی ابتداء میں خوانین سے ان کی سخت ٹکر رہی اس لئے کہ حکومت بن جانے سے ان کی اپنی حکومتیں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔ مگر وہ آہستہ آہستہ ان کا صفایا کرتے ہوئے حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ ویسے تو انہوں نے ان تمام قوانین کا خاتمہ کر دیا جو ان کے لئے کسی وقت خطرہ بن سکتے تھے۔ مگر دوسری طرف انہوں نے نئے قوانین بنانے شروع کر دئے۔ جنہوں نے حکومت کی شہ پر پرانے خوانین سے بھی زیادہ لوٹ کھسوٹ مچائی۔ اس کے علاوہ ایک نیم خواندہ نوکر شاہی طبقہ رشوت کے زور پر اُبھرنے لگا۔ ان کے جانشین جہاں زیب ہوئے۔ انہوں نے تعلیم، سڑکوں، ہسپتالوں، اور عمارتوں کو وسعت دی مگر نوکر شاہی کو بھی مکمل چھوٹ دے دی تھی۔ جس کی وجہ سے عوام کا ناک میں دم آگیا لکھا ہوا قانون کوئی نہ تھا۔ حاکم کی صواب دید پر فیصلوں کا دارومدار ہوتا تھا۔ (اور اب بھی ہوتا ہے) خوانین کا اثر کسی حد تک کم ہو گیا۔ مگر استحصال کرنے والوں کا جو نیا طبقہ ابھرا وہ پرانے طبقے سے بھی زیادہ ظالم نکلا۔

ان حالات کے خلاف تعلیم یافتہ طبقہ میں عام بے چینی پھیل گئی۔ اور قصبوں کی پچاس فیصد آبادی اپنا علاقہ چھوڑ کر پاکستان میں مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئی ۱۹۵۹ء میں سب سے پہلے کالج میگزین میں (جو جشن والی کا خاص نمبر بھی تھا) والی کے اور ریاستی نظام کے خلاف کئی مضامین اور نظمیں چھپ گئیں وہ سابقہ والی کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس وقت اس کے خلاف پاکستان میں کوئی کچھ لکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ خود اس کی ریاست اور اسی کے کالج کے پرچے میں یہ سب کچھ چھپ رہا ہو۔ رسالے میں سے صفحے کے صفحے پھاڑ دیئے گئے۔ پروفیسر سحر یوسف زئی (جو اس حصے کے انچارج تھے) انکو معطل کر دیا گیا۔ اور مختلف ایذائیں دی گئیں۔ اور بہت سے طلباء کو کالج سے اور سوات سے بھی نکال دیا گیا مگر اس کے بعد سے تعلیم یافتہ طبقہ سابقہ والی اور ریاست کے خلاف اپنی تحریک چلاتا رہا۔ گرفتاریاں ہوئیں بہت سوں کو ریاست بدر کیا گیا مجاری جرمانے اور انسانیت سوز سزائیں دی گئیں۔ مگر اس تحریک میں اور زور آتا گیا۔ اور آخر جولائی ۱۹۶۹ء میں یہ ریاست پاکستان میں ضم ہو گئی۔

عوام کیا چاہتے ہیں

سوات ایک ایسا علاقہ ہے جہاں کا میدانی علاقہ دو ہزار فٹ سے لیکر نو ہزار فٹ تک سطح سمندر سے بلند ہے۔ اس لئے یہاں ہر طرح کے پھل اور سبزیاں اُگائی جا سکتی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ یہ علاقہ افغانستان سے زیادہ، اور اس سے بہتر پھل نہ پیدا کر سکے۔ یہاں زمرد لوہے، سیسے، پلاٹینیم، چینی مٹی، یاقوت اور نہ معلوم اور کن کن نایاب اور کم یاب دھاتوں کے ذخیرے موجود ہیں۔ مگر یہاں کے عوام کو خوانین اور نوکر شاہی نے جس بے دردی سے لوٹا ہے۔ اور سابقہ والی نے عوام کی ترقی سے جو غفلت برتی ہے۔ اس کا زندہ ثبوت سوات کی وہ پچاس فیصد آبادی ہے۔ جو پاکستان کے کونے کونے میں مزدوری کرتی پھر رہی ہے۔ یہاں ترقی جنگل کو تباہ کرنے والوں کی ہے۔ ٹھیکیداروں نے کی ہے۔ خوانین نے کی ہے۔ نوکر شاہی نے کی ہے۔ ذخیرہ اندوزوں اور اسمگلروں نے کی ہے۔ یعنی لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کے لئے سوات جنت ہے۔ سوات کے عوام کا پہلا مطالبہ پاکستانی قانون کا نفاذ ہے۔ اس کے بعد نوکر شاہی خوانین اور جنگل کے ٹھیکیداروں کا محاسبہ ہے اور زراعت کی طرف خصوصی توجہ ہے۔ افسوس کہ ریاست پاکستان میں ضم ہوئے پورا ایک سال ہونے کو آگیا مگر ان مطالبوں میں سے اب تک کوئی مطالبہ پورا نہیں ہوا۔

ان مطالبوں کو پورا کروانے کا وعدہ ہر ایک

پارٹی نے کیا ہے۔ اور اسی بنیاد پر تمام پارٹیوں نے اثر و نفوذ پیدا کیا ہے۔ اس وقت سوات میں نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) قیوم مسلم لیگ، پیپلز پارٹی جماعت اسلامی، جمعیت العلماء کے دفاتر موجود ہیں اس سے قبل کہ ہم ان پارٹیوں کی مقبولیت پر نظر ڈالیں ایک اور مسئلہ پر غور کر لینا ضروری ہے۔

سوات میں اس وقت تین طبقے ہیں۔

(۱) خوانین: یہ وہ لوگ ہیں جو سوات کی ساری زمین کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ آپنے آپ کو حکمراں جماعت اور باقی عوام کو ذلیل سودور جانتے ہیں۔ یہ اس زمانے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ جب وہ اس وادی میں سفید و سیاہ کے مالک تھے۔

(۲) نو دولتوں کا طبقہ۔ یہ طبقہ مشتمل ہے نوکر شاہی سابقہ والی کے رشتہ داروں، حکومت کے خیر خواہوں سیٹھوں، ٹھیکیداروں اور اسمگلروں پر۔ اس طبقے کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ عوام کو پاکستان سے بددل کیا جائے۔ اور سابقہ ریاست کو کسی طرح پھر بحال کروا دیا جائے۔ اس لئے کہ رشوت اور لوٹ کھسوٹ کے جو مواقع اس دور میں اُس کو حاصل رہے۔ مکمل پاکستانی قانون نافذ ہو جانے کے بعد وہ باقی نہیں رہتے۔ نہ رشوت کی یہ گرم بازاری ہوگی۔ نہ جنگلوں کو اس بیدردی سے تباہ کیا جا سکے گا۔ نہ اس طرح اسمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی ہو سکے گی اور نہ تمام ٹیکسوں سے مکمل چھوٹ حاصل رہ سکے گی۔

(۳) تیسرا طبقہ عوام کا ہے۔ جو نوے فیصد سے بھی تجاوز ہے۔ ان کو خوانین نے اپنے دور میں اپنے مظالم کا شکار بنایا۔ اور نوکر شاہی کے زمانے میں سرکاری عمال اور تجارت پیشہ طبقہ نے اس طبقے میں صرف اہل حرفہ ہی شامل نہیں ہیں۔ بلکہ سارا تعلیم یافتہ طبقہ ان کے ساتھ ہے اس لئے کہ سابقہ ریاست نے تعلیم یافتہ طبقے کو سب سے زیادہ ذلیل کیا۔ افسر انگوٹھا لگانے والا ہوتا تھا۔ اور کلرک ایم۔ اے پاس۔ جاہل تحصیلدار یا حاکم کے ماتحت اس علاقے کا تمام تعلیم یافتہ طبقہ دست بستہ رہتا اور روز حکماً اسے سلام کرنے جانا پڑتا۔

پارٹیوں کی پوزیشن

اب اسی تقسیم کے لحاظ سے مختلف پارٹیوں کو کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ چونکہ ولی خاں گروپ خوانین کو بہترین مستقبل کی ضمانت دیتا ہے یعنی جو زمینیں ان کے پاس ہیں وہ رہنے دی جائیں گی۔ اس لئے تمام خوانین نیپ میں شامل ہو گئے۔ نو دولتوں، طبقہ جس کو سابقہ والی نے پیدا کیا تھا۔ وہ اسی پارٹی میں شامل ہو گا۔ جس کو سابقہ والی سب سے بہتر سمجھیں گے۔ چونکہ پاکستان میں ایوب خان کے تمام سائنٹی (خاص کر پشاور کے علاقے میں) قیوم خان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس لئے سوات میں بھی ایوب خان کے طرفدار قیوم خان کے ساتھ مل گئے اس میں نوکر شاہی کے خاندان، سابقہ والی کے ماموں زاد بھائی لالا گان، اور سیٹھ قسم کے لوگ شامل ہیں۔ جن کے پاس اقتدار، دولت اور سب ہی کچھ ہے۔

سواتی عوام کا سیاسی شعور

تیسرا طبقہ رہا تو بے زبانوں کا ہے اور یا پھر تعلیم یافتہ ہیں۔ جن کی اکثریت ملازمت میں ہے۔ مگر وہ سب پیپلز پارٹی مزدور کسان پارٹی یا جمعیت العلماء کے حق میں ہیں۔ چونکہ خوانین اور نو دولتوں نے انہیں اپنے اپنے اقتدار کے وقت اور استطاعت کے مطابق خوب لوٹا ہے۔ اس لئے ان کے مسائل اور معاملات ابھی دو طبقوں کے ساتھ ہیں۔ عوام نے جو مسلسل جدوجہد کی ہے۔ وہ ان ہی دو مستبد طاقتوں سے نجات کے لئے تھی۔ اور مستقبل میں بھی اگر ان کی کسی طبقے سے ٹکرائے گی تو وہ خوانین ہوں گے۔ یا پھر یہ نو دولتے پنجابی سندھی، بہاری فیکٹری کے مسائل یہاں سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ ان حالات میں عوام نہ تو خوانین کی جماعت (نیپ) میں شامل ہو سکتے ہیں نہ استحصالیوں کے ٹولے (قیوم گروپ) میں جماعت اسلامی اپنے ممبروں کی تعداد بڑھانے کے لئے کوشاں ہے۔ مگر عوام مذہب کے ان ٹھیکیداروں سے بے حد نفرت کرتے ہیں۔ اگر کسی کو کافر سے بھی بدتر نام سے پکارنا ہو تو اسے "مودودی" کہہ دیتے ہیں۔ یہ جس اسلامی قانون کی رٹ لگا رہے ہیں۔ اس کا حشر سوات کے عوام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔

عوام کو متحد کرنے میں ابھی وقت لگے گا۔ اس لئے کہ وہ لوگ ایک طرف تو خوانین سے خوف زدہ ہیں دوسری طرف نوکر شاہی کی لاقانونیت سے ڈرتے ہیں مگر اس کے باوجود جتنا طبقاتی شعور سوات کے عوام میں اُبھرا ہے۔ پورے سرحدی علاقے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور ایک جرمن سیاح کے یہ الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ کہ سوات کے عوام جن حالات سے گزرے ہیں۔ اس نے ان کے شعور میں وہ پختگی پیدا کر دی ہے۔ جو صدیوں کی کوشش کے بعد بھی پیدا کرنی مشکل ہو جاتی ہے۔ مغربی پاکستان میں اگر سوشلزم پوری تابانیوں کے ساتھ ابھرا تو اس کی رہنمائی سوات کے عوام کریں گے۔

رس نچوڑتے والے مزدور

صفحہ ۳۸ سے آگے

آٹا سالن خریدوں یا ان کی پڑھائی پر خرچ کروں۔"

محمد بشیر نے کہا "ایک مرتبہ میری ماں کو بخار چڑھ گیا۔ اس کی بیماری کی وجہ سے میں کام پر نہیں آیا۔ اس روز دہاڑی نہیں ملی۔ مگر صاحب میں بھی بڑا ہوشیار ہوں۔ اماں کو رنگ ملا کر پانی پلا دیا اور کہا کہ شہر کے ایک بہت اچھے ڈاکٹر سے دوائی لایا ہوں۔ دوسرے دن اماں کا بخار اتر گیا اور بھلی چنگی ہو گئی۔ صاحب جھوٹ بولنا گناہ ہے مگر غریبوں کی دنیا میں جھوٹ بہت کام آتا ہے۔"

تیسرے مشین مین کا نام علاؤالدین ہے وہ بھی ڈھاکہ کا باشندہ ہے۔ چار سال پہلے کراچی آیا تھا۔ وہ اپنے ضعیف والدین اور بہن بھائی کے ساتھ بارہ امام میں رہتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ بارہ امام میں کوئی بنگالی اسکول نہیں ہے۔ اس نے بتایا، کہ بارہ امام میں مشرقی پاکستان کے تقریباً ۱۲ سو باشندے رہتے ہیں۔ اتنی بڑی آبادی کے لئے ایک بنگالی اسکول کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ جہاں ان کے بچے، اپنی زبان بھی سیکھ سکیں۔

علاؤالدین نے اپنے مالک کے متعلق کہا کہ وہ بھی ہماری طرح ایک غریب آدمی ہے۔ کچھ پیسے جمع کر کے اس نے یہ دکان کھول لی۔ آدمی محنت کرے تو کیا نہیں کر سکتا۔ محنت غریبوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ یہ بڑے آدمی اور سرمایہ دار غریبوں کی محنت سے ہی سرمایہ دار بنے ہیں۔ علاؤالدین ڈھاکہ کے اسکول میں آٹھویں کلاس تک پڑھ چکا ہے۔ والد کے انتقال کے بعد سارے کنبے کا بوجھ اس پر آ پڑا۔ چنانچہ پڑھائی چھوڑ کر اُسے ملازمت کرنی پڑی وہ اپنی اس زندگی سے مطمئن نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ بھی کوئی زندگی ہے اگر آدمی بیمار پڑ جائے، یا کسی مجبوری سے کام پر نہ آ سکے۔ تو دہاڑی ختم۔ پیسے بس اتنے ملتے ہیں کہ بُرے وقتوں کے لئے دو چار پیسہ بچانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔"

یہ وہ محنت کش ہیں جن کے شب و روز زندگی کے تپتے ہوئے راہگذاروں میں آبلہ پائی کرتے گذر جاتے ہیں۔ وہ اپنی محنت سے زندگی کو حسن اور بانکپن بخشتے ہیں۔ وہ ناکام آرزوؤں اور تمناؤں کے اس صحرا میں اپنے لئے زندگی کا تھوڑا حسن مانگتے ہیں۔ مگر وہ کل بھی تہی دست تھے اور آج بھی خالی ہاتھ ہیں۔

عدالت میں پیراماؤنٹ کے مزدوروں کی کامیابی

مزدوروں کی قانونی ہڑتال کے دوران میں آجروں کو یہ اختیار نہیں کہ باہر سے مزدور بھرتی کرلیں، اس حکم کی توثیق، حال ہی میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے کراچی بنچ نے کی ہے۔ فیصلہ کرنے والوں میں مسٹر جسٹس غلام صفدر شاہ اور مسٹر جسٹس محمد سلیم شامل تھے۔

ہائی کورٹ نے مذکورہ حکم پیراماؤنٹ انڈسٹریز لمیٹڈ (کراچی) کی درخواست پر دیا ہے۔ واقعات کا پس منظر یہ ہے کہ اس کارخانہ میں مزدوروں نے ہڑتال کی۔ ہڑتال کے دوران میں کارخانہ داروں نے اپنا کام جاری رکھنے کے لئے باہر سے مزدور بھرتی کرلئے۔ ہڑتالی مزدوروں نے اس کی شکایت ضلع مجسٹریٹ سے کی۔ انہوں نے کارخانہ داروں کو حکم دیا کہ مزدوروں کی منظور شدہ یونین کی جانب سے یہ ہڑتال بالکل قانونی ہے اور قانونی ہڑتال کو توڑنے کے لئے باہر سے مزدور بھرتی نہیں کئے جاسکتے۔ لہٰذا باہر کے مزدوروں کو فوراً برطرف کردیا جائے۔ کارخانہ داروں نے آئین کی دفعہ ۹۸ کے تحت ضلع مجسٹریٹ کے اس حکم کو ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا۔ اس کے جواب میں ہائی کورٹ نے مذکورہ بالا فیصلہ صادر فرمایا۔

اس مقدمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ درخواست گذار کمپنی اور اس کے ملازموں کے درمیان، اختلافی معاملوں پر جب کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا اور صنعتی تعلقات کے آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے تحت ثالثی کی کوشش بھی ناکام ہوگئی تو مزدوروں کی ٹریڈ یونین نے آرڈیننس کی دفعہ ۳۲، ذیلی دفعہ (۲) کے تحت ہڑتال کردی۔ اس کے بعد ہی کمپنی نے باہر کے لوگ بھرتی کئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان کے اس اقدام کو آرڈیننس کی روح کے منافی قرار دیتے ہوئے باہر کے مزدوروں کی چھانٹی کرنے کا حکم دے دیا۔

فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں اس حکم توثیق کی ہے۔ اور اس کے خلاف درخواست خارج کردی ہے کیونکہ ان کی رائے میں صنعتی تعلقات کے اس آرڈیننس کا مقصد، مزدوروں کو سودے کاری کی طاقت مہیا کرنا ہے۔ آئین کی دفعہ ۹۸ کے تحت ضلع مجسٹریٹ کے حکم کو خارج کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک غیر قانونی اقدام کو (جسے کمپنی نے روا رکھا ہے) گویا دوام حاصل ہوجائے گا۔ ضلع مجسٹریٹ اپنے ضلع میں امن عامہ کے ادارہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ باہر کے لوگوں کی بھرتی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کمپنی اور مزدوروں کی منظور شدہ یونین کے درمیان تصادم اور امن عامہ کا مسئلہ پیدا ہوجائے گا۔ لہٰذا ضلع مجسٹریٹ نے کسی ایسے اندیشہ کا سدّباب کرنے کے لئے جو کارروائی کی، اسے غیر آئینی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پیراماؤنٹ انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی میں بلب اور ٹیوب لائٹس بنانے کا بہت پرانا کارخانہ ہے۔ یہاں جب کبھی مزدوروں نے حالاتِ کار سے تنگ آکر ٹریڈ یونین بنانے کی کوشش کی مالکان نے ناجائز اور غیر قانونی طریقے اختیار کرتے ہوئے انتقامی کارروائیاں شروع کیں اور مزدور اپنی یونین بنانے میں کامیابی حاصل نہ کرسکے۔

دسمبر ۱۹۶۹ میں مزدوروں نے ایک بار پھر یونین کی تشکیل کی اور اس کی رجسٹری کے بعد اجتماعی سودے کاری کے ایجنٹ کی حیثیت سے جنوری ۱۹۷۰ میں چند مطالبات پیش کئے۔ جس میں تنخواہوں کے گریڈ، چھٹیاں، بونس، یونیفارم، پراویڈنٹ فنڈ، گریجوئٹی۔ خواتین کے لئے ٹرانسپورٹ اور کینٹین کے مطالبات شامل تھے۔ مالکان سے بات چیت میں ناکامی کے بعد مزدوروں نے ہڑتال کا نوٹس جاری کیا اور پھر محکمہ محنت کی وساطت سے مصالحتی گفتگو کی ناکامی کے بعد مزدور ۱۰ فروری ۱۹۷۰ء سے ہڑتال پر چلے گئے۔ جسے اب چار ماہ سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔

مالکان نے اس قانونی ہڑتال کے دوران نہ صرف یہ کہ بڑے پیمانے پر نئی بھرتی کی بلکہ مستقل مزدوروں کو نوٹس دے کر ملازمت سے الگ کرنا اور جھوٹے الزامات کی بنیاد پر برطرف کرنا شروع کردیا۔ ہڑتال کے دوران یہ تمام اقدامات انتہائی غیر قانونی تھے۔

محکمہ محنت نے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی نے مالکان کو اس بات کا نوٹس دیا کہ وہ ہڑتال کے دوران نئے بھرتی کئے ہوئے مزدوروں کو ملازمت سے برطرف کردیں۔ مالکان نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے احکامات کے خلاف عدالتِ عالیہ میں رٹ داخل کی جس پر عدالتِ عالیہ نے مذکورہ بالا فیصلہ دیا۔

سیمنز پاکستان ایمپلائز یونین

سیمنز پاکستان ایمپلائز یونین کراچی کے صدر مسٹر نبی احمد نے شکایت کی ہے کہ سیمنز پاکستان انجینئرنگ کمپنی لمیٹڈ کی انتظامیہ نے ۱۹۶۸ء کی ۵۳ روزہ ہڑتال کے بعد سے ۱۱ اپنے ملازموں کے ساتھ نہایت نامناسب اور غیر منصفانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

مسٹر نبی احمد نے کہا کہ ۱۹۶۸ء میں ہڑتال کے بعد یونین اور مالکان نے ایک معاہدہ کے تحت مزدوروں کے مطالبات پر بات چیت کا فیصلہ کیا تھا لیکن مالکان نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بات چیت کرنے سے انکار کردیا۔ بڑے پیمانے پر مزدوروں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ رائج شدہ طریقۂ کار اور حاصل شدہ حقوق میں غیر قانونی تبدیلیاں کی گئیں۔

مالکان نے ۲۲ مارچ ۶۰ء کے معاہدے کو بھی غیر قانونی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ مالکان نے تصدیق شدہ سرٹیفکیٹ ملازمت کو جو ۵۹ء سے نافذ العمل تھے ایک نوٹس کے ذریعہ منسوخ کردیا۔

یونین نے ۱۸ جون ۶۹ء کو رائج شدہ طریقۂ کار کے مطابق مالکان کو مزدوروں کی کچھ تکالیف اور شکایات تحریری طور پر پیش کیں، لیکن مسٹر نبی احمد کا بیان ہے، کہ مالکان نے اس پر غور نہیں کیا۔ اور ۲۲ مزدوروں کو غیر قانونی طور پر ملازمت سے علیحدہ کرکے اپنی مزدور دشمنی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ مالکان

زندہ قوموں کا زندہ ادب

اٹھارہ دن اٹھارہ راتیں

بلغاریہ کے افسانے

انتخاب و ترجمہ : ریاض جاوید

پیپلز پبلشنگ ہاؤس

پوسٹ بکس ۸۶۲، شاہراہ قائداعظم، لاہور

نے مزدوروں کے قانونی نوٹس پر گفت و شنید کرنے سے انکار کر دیا۔ اپنے مطالبات پر مشتمل تالہ بندی کا نوٹس جاری کیا۔ صنعتی عدالت میں مزدوروں کے مطالبات اپنی طرف سے پیش کئے تاکہ مزدور ہڑتال کے حق کو استعمال نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ اب تک ۵۹ مزدوروں کو ملازمت سے علیحدہ کیا جا چکا ہے اور ۵۶ مزدوروں کو ملازمت سے معطل کر دیا گیا۔ برطرف اور معطل کئے جانے والے ۱۱۵ مزدوروں میں یونین کے چیئرمین نائب صدر، خزانچی، نائب خزانچی کے علاوہ مینجنگ کمیٹی کے ۱۸ ممبران اور شاپ کے نمائندے شامل ہیں

لانڈھی میں مزدوروں کا جلسہ

کراچی: نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) لانڈھی کے ایک جلسۂ عام میں کسان رہنما جناب راؤ مہروز اختر نے نام نہاد اسلام پسند پارٹیوں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اب عوام اسلام کے مقدس نام اور خوبصورت نعروں کے فریب میں نہیں آئیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ٹھوس نظریات اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ ہی عوام کا اعتماد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ نام نہاد علماء اور رجعت پسند سیاسی جماعتیں مذہب کی آڑ میں عوام کو گمراہ کر رہی ہیں۔ تاکہ ملک پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی گرفت مضبوط رہے۔

مغربی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) کے صدر جناب سی۔ آر۔ اسلم نے کہا کہ صنعتکاروں اور سرمایہ داروں کو تالا بندی کا حق دینے سے مزدوروں کے مفادات کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ انہوں نے کہا کہ غیر ملکی امداد سے قائم ہونے والی صنعتوں پر چند سرمایہ داروں کی اجارہ داری ہے۔ جب کہ یہ صنعتیں مزدوروں کی محنت کے سہارے پروان چڑھتی ہیں۔ لیکن اس کا فائدہ صرف اجارہ دار سرمایہ داروں کو پہنچتا ہے اس وقت پاکستان میں ہر پیدا ہونے والا بچہ دو سو روپے کا مقروض ہوتا ہے۔

مزدور رہنما محترمہ کنیز فاطمہ نے داؤد کاٹن ملز کے ایک مزدور کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسے انتقامی کارروائی کا نشانہ بنا کر ہلاک کیا گیا ہے۔ انہوں نے انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ اس واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے۔ محترمہ کنیز فاطمہ نے ملز مالکان کو متنبہ کیا کہ وہ مزدوروں کی چھانٹی بند کریں۔ اور ان کے خلاف انتقامی کارروائی فوری طور پر ختم کی جائے۔

بکنگ کلرکوں کے مسائل

بکنگ کلرک ایسوسی ایشن کی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملک آفتاب ربانی صدر پی۔ڈبلیو۔آر، لاہور نے کہا کہ ریلوے کے بکنگ کلرکوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ انہیں معمولی شکایت پر معطل کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کے خلاف محکمانہ کارروائی کی جاتی ہے۔ کمرشل اسٹاف میں سب سے زیادہ تربیت بکنگ کلرکوں کو دی جاتی ہے لیکن ان کے ساتھ ناانصافی کا سلوک کیا جاتا ہے۔ اُن کے اوقات کار مقرر نہیں کام پر کئی کئی گھنٹے زائد بیٹھنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ریلوے کی آمدنی کا بڑا حصہ سٹی بکنگ ایجنسیوں اور افسران کے بنگلوں کی تعمیر اور ان کے عیش و آرام پر ضائع کیا جاتا ہے۔

ملک ربانی نے کہا کہ ریلوے بکنگ کلرک (گریڈ ۱۱ میں) بیس سال تک ۱۷۵/- روپیہ ماہانہ وصول کرتا ہے۔ نیز تمام پی، ڈبلیو، آر کی تیرہ سو مستقل آسامیوں کے لئے صرف ایک گریڈ پنجم کی پوسٹ ہے اور گذشتہ تین سال سے اس پوسٹ پر ایک بکنگ کلرک ۳ ماہ سے زائد کام نہیں کر سکا۔ بکنگ کلرکوں کی ترقی کے لئے کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔

ملک آفتاب ربانی نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ بکنگ کلرکوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا ازالہ کیا جائے پے کمیشن میں ان کیلئے معیاری تنخواہ مقرر کی جائے۔ معطل شدہ کلرکوں کو بحال کیا جائے۔ پانچ گریڈوں کو ختم کر کے صرف تین گریڈ بنائے جائیں۔ بکنگ کلرک کو ہفتہ وار چھٹی دی جائے۔ کم سے کم آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی مقرر کی جائے، انہیں سرکاری کوارٹرز یا ۶۰ روپیہ ماہوار مکان کا کرایہ ادا کیا جائے، ۲۵ فیصد شارٹیج الاؤنس اور میڈیکل الاؤنس دیا جائے کراچی کینٹ اسٹیشن پر اٹر کلاس اور اپر کلاس کے لئے علیحدہ علیحدہ کھڑکیاں کھولی جائیں۔

لانڈھی کورنگی ٹیکسٹائل ورکرز

لانڈھی کورنگی ٹیکسٹائل ورکرز یونین کے آفس سیکرٹری محمد زبیر نے اس بات پر سخت تشویش کا اظہار کیا ہے، کہ مالکان پاکٹ یونین کو زندہ رکھنے کے لئے غیر قانونی طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ۳ جون کو پرنس گلاس مزدور یونین کے راہنما مسٹر عنایت اللہ خاں حکومت کی اجازت سے گیٹ میٹنگ کر رہے تھے تو اچانک مالکان کے کارندوں نے حملہ کر کے جلسہ کو درہم برہم کر دیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا ہے کہ جب حکومت نے یونین بنانے کی آزادی دے رکھی ہے۔ تو اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے عناصر کے خلاف کارروائی بھی کرے جو ٹریڈ یونین کی صحت مند روایات کو اپنے مفادات کے لئے پامال کر رہے ہیں۔

قموس گل کی رہائی کا مطالبہ

سانگھڑ: ویسٹ پاکستان ٹرانسپورٹ ورکرز یونین کے یونٹ سیکرٹری مسٹر عابد علی نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ مزدور رہنما مسٹر قموس گل خنٹک ٹی بی کے مرض سے بہت لاغر اور کمزور ہو گئے ہیں۔ جیل میں ان کی صحت خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا مسٹر قموس گل خنٹک، مسٹر خمیسو خاں اور مسٹر محمد بشیر کی سزائیں منسوخ کی جائیں اور انہیں جلد رہا کیا جائے۔

مودودیات

مولانا مودودی کے تصورات	فیروز الدین منصور	۲/-
مودودیت اور موجودہ سیاسی کشمکش	صفدر میر	۳/-
مودودیت عوامی عدالت میں	مولانا کوثر نیازی	۱/۵۰
مولانا مودودی اور جماعت اسلامی	ممتاز علی	۲/۲۵
محاسبہ مودودی	قاری عبدالعزیز جلالی	۱/-
انکشافات	قاری عبدالحمید	۲/۵۰
جماعت اسلامی اور اسلامی دستور	محمد سرور	۶/-
مولانا مودودی دعاوی و عمل	"	۱/۲۵
جماعت اسلامی کا سیاسی کردار	"	۱/۲۵

تمام کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر محصول ڈاک کی رعایت

پیپلز پبلشنگ ہاؤس

پوسٹ بکس ۸۶۲

شاہراہ قائداعظم، لاہور

تراشے

ہمارے ملک کے روزناموں میں ایسی خبریں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں جن سے رجعت اور استحصال کے نمائندہ افراد اور اداروں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ذیل میں یہ خبریں بلا تبصرہ شائع کی جارہی ہیں۔ اس دلچسپ سلسلۂ مضامین میں ہم اپنے قارئین کو بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ خبریں مختصر ہوں تو بہتر ہے۔ (ادارہ)

پندرہ لاکھ روپے دو، ورنہ .....

مشائخ اور علماء کا خصوصی اجلاس ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا کہ مرکزی مجلس عمل جمعیت علمائے اسلام آئندہ انتخابات میں حصہ لے گی۔ اس موقع پر متعدد علماء نے فتوے دیئے کہ جمعیت کے نامزد امیدوار کے سوا کسی دوسرے کو ووٹ دینا حرام ہے

صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے کہا کہ اس وقت ملکی سیاست میں انتقال اقتدار کے سوال کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ سرمایہ دار چند "مولویوں" کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ تاکہ ان کی تجوریاں محفوظ رہیں ـــــ انہوں نے کہا کہ ماضی میں بی ڈی کی نشست کے الیکشن میں دو لاکھ روپے اور اسمبلی کی نشست کے لئے پانچ لاکھ تک خرچ ہوتے تھے۔ لیکن میں صرف تیس ہزار روپے سے انتخاب لڑ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ جمعیت علمائے پاکستان مرکز میں پندرہ نشستوں پر انتخاب لڑے گی۔ اور اسے مجموعی طور پر پندرہ لاکھ روپے درکار ہوں گے انہوں نے کہا کہ یہ رقم ہم طلسماتی چراغ سے تو نہیں لے سکتے چنانچہ ہم سرمایہ داروں کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے یہ رقم فراہم نہ کی تو چھیننے والے ان کی تجوریاں خالی کردیں گے۔

حریت - ۱۶ جون

ہم بھوکوں مر جائیں گے

آخری اجلاس سے پیر صاحب دیول شریف نے بھی خطاب کیا۔ اور کہا کہ علماء مشائخ اور عوام کے اتحاد سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان علماء کی کوششوں سے وجود میں آیا تھا۔ اور اب علماء کی جدوجہد ہی سے اسلامی انقلاب برپا ہوگا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ملک میں بلا تاخیر اسلام کا دستور نافذ کیا جائے اور سوشلزم کا پرچار کرنے والوں پر فی الفور پابندی لگائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھوکوں مر جائیں گے، لیکن ملک میں سوشلزم کو نہیں آنے دیں گے۔

حریت، ۱۶ جون

یہ وہی پیر صاحب ہیں

پنجابی اتحاد تحریک کے صدر ملک نوید احمد نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ خضری مشن کے فنڈ سرکاری تحویل میں لے کر پیر صاحب دیول شریف کے اثاثوں کی چھان بین کی جائے انہوں نے یاد دلایا کہ پیر صاحب سابق صدر ایوب کے خاص آدمی تھے۔ انہوں نے ایوب خاں کی آمریت کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام کے مقدس نام سے فائدہ اٹھایا تھا اسی دوران انہوں نے ایوب حکومت کے اعلیٰ افسروں کی اعانت سے نام نہاد خضری یونیورسٹی کے قیام کے لئے بھاری رقوم جمع کی تھیں یہ رقوم زیادہ تر ٹیکس دہندگان سے زبردستی وصول کی گئی تھیں۔ ایوب خاں کے زوال کے بعد پیر دیول شریف بڑی ہوشیاری کے ساتھ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے۔ لیکن اب وہ دوبارہ اسلام کا نعرہ لگا کر عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

مشرق - ۱۶ جون -

سونے کے تمغے

کوئٹہ - ۱۸ مئی (نمائندہ خصوصی) آل پاکستان لٹسٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان زون کے زیر اہتمام ایک تقریب میر نبی بخش زہری کے بنگلے پر منعقد ہوئی۔ جس میں خان قیوم - مخدوم زادہ حسن محمود اور میر نبی بخش زہری کے علاوہ متعدد خواتین اور طرکیوں کو سونے کے تمغے دیئے گئے۔ واضح رہے کہ یہ تقریب پہلے گنٹومنٹ پبلک اسکول میں ہونے والی تھی لیکن اجازت نہ ملنے پر تقریب وہاں منعقد نہ ہوسکی۔ اس لئے مجبوراً تمغے زہری ہاؤس میں تقسیم کئے گئے اس کے لئے طرکیوں اور خواتین کو موٹر گاڑیوں میں بھر کر زہری ہاؤس پہنچایا گیا۔ اس تقریب میں خان عبدالقیوم خان کو فخر پاکستان۔ اور میر نبی بخش زہری کو نشان بلوچستان عطا کیا گیا۔

روزنامہ زمانہ (کوئٹہ) ۱۹ جون

منصوبوں کی حقیقت

ہمارے عوام اپنے پلاننگ کمیشن کی خامیوں کوتاہیوں اور دھاندلیوں سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پلاننگ کمیشن کی اکثر رپورٹیں پردہ اخفا میں رکھی جاتی ہیں یا کم سے کم عوام کو نہیں دی جاتیں یا مل نہیں سکتیں لہذا ان کی کارگذاری کا صحیح اندازہ لگانا عوام تو کیا خواص کے لئے بھی دشوار ہے چونکہ ملک میں کوئی جمہوری نظام موجود نہیں ملک کی پارلیمنٹ کبھی عوام کے سامنے گذشتہ بارہ برس میں جواب دہ نہ تھی۔ لہذا افسران بالا دست کی من مانی کارروائیوں اور نوکر شاہی کی بدعنوانیوں کا کوئی تدارک نہیں ہوسکا۔ وہ اپنی پیٹھ آپ ہی ٹھونکتے رہے اور اپنے بیرونی پیٹھوں سے جس کی خاصی بیکار تعداد کمیٹی سے "مشوروں" کے لئے بھر رکھی تھی۔ ٹھکواتے رہے اور اپنا ڈھنڈورہ آپ ہی پیٹتے رہے اور قومی روپے کا بے دریغ بیکار مصرف کرتے رہے جشن وہ سالہ اس کی ادنیٰ مثال ہے۔ صرف غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ حقائق کو دانستہ مسخ کیا گیا۔

ڈاکٹر انور اقبال قریشی (جنگ - ۱۳ جون)

شوکت "اسلام"

مولانا (ابوالاعلیٰ مودودی) جلوس کی شکل میں ائیرپورٹ سے روانہ ہوئے تو تقریباً تین سو اسکوٹر، موٹر سائیکلوں اور دو سو موٹر کاروں اور ٹیکسیوں کی ایک طویل قطار، جلوس میں شامل تھی۔" (جسارت - ۱۵ جون)

چشم مارو شن

مولانا نے کہا کہ جماعت اسلامی کی پشت پر کوئی سرمایہ دار کوئی بڑا زمیندار نہیں ہے۔ اگر اس گروہ میں سے کچھ اللہ کے نیک بندے نکل آئیں تو چشم مارو شن۔"

(جسارت - ۱۵ جون)

سخن فہمی

امیر جماعت اسلامی مغربی پاکستان میاں طفیل محمد نے سرمایہ داری اور سوشلزم میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جب دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے تو اس کو سرمایہ داری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہی سرمایہ انتہا کو پہنچ کر ملک کی ساری دولت اور وسائل کا واحد حقدار صرف ایک شخص کو بنا دیتی ہے تو اس کو سوشلزم کہا جاتا ہے۔"

جسارت - ۱۵ جون

ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں

جو ایجنٹ حضرات اگلے ہفتہ تک بل کی ادائیگی نہیں کریں گے۔ انہیں پرچہ نہیں بھیجا جائے گا۔

سرکولیشن منیجر
ہفت روزہ لیل و نہار کراچی

نامۂ و پیام

اور پھر آنا نواب گرمانی کا جماعت میں

ان دنوں یہ افواہ بہت گرم ہے کہ نواب مشتاق احمد گرمانی سابق یونینسٹ پارٹی کے مستقون، جو بوقت ضرورت مسلم لیگ اور ریپبلکن پارٹی میں شامل ہو کر پوری طرح استفادہ فرما چکے ہیں۔ اب جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ احقر کو زندگی میں پہلی بار اور آخری بار نواب صاحب سے جس ملاقات کا شرف حاصل ہوا اُس کی مختصر سی تفصیل بیان کر دوں:۔

۴۳-۱۹۴۲ء کا زمانہ تھا۔ ایف۔ سی کالج لاہور میں جناب یحییٰ بختیار، جناب شیخ حامد محمود اور چند دیگر مجھ جیسے طلباء کارکن کی تگ و دو سے پہلی مرتبہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی شاخ قائم کی گئی۔ جناب حمید نظامی مرحوم کی زیر صدارت یہ تمام کارروائی سر انجام دیتے ہوئے مسلم لیگ کے نقطۂ نظر سے طلباء فارمن کرسچین کالج کو روشناس کرانے کی جدوجہد کا آغاز کیا گیا۔ جب مذکورہ تحریک کی بھنک نواب مشتاق احمد گرمانی، پارلیمنٹری سیکرٹری یونینسٹ گورنمنٹ آف پنجاب، کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے اِس تحریک سے متعلق کالج کے چیدہ طلبا سے ملاقات کی خواہش کا اظہار ہم تک پہنچایا جناب شیخ حامد محمود کی زیر سرکردگی جناب سلطان محمد قاصر (حال ایڈووکیٹ شیخوپورہ) جناب عبدالقدیر (اُس زمانہ میں کالج کے ایک ورکر)، جناب عبدالرؤف (حال ایڈووکیٹ راولپنڈی)، جناب اختر احمد قاضی (حال افسر پاکستان برما شیل، متعین کراچی)، جناب ظفر احمد (بردار نسبتی شیخ اکرام الحق، سابق چیف سیکرٹری حکومت مغربی پاکستان) اور احقر نواب صاحب کی خدمت میں فلیٹیز ہوٹل میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہماری روش کی اصلاح کی غرض سے یوں نصیحت فرمائی کہ اگر درحقیقت تمہیں (طلبا کو) مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی مقصود ہے تو بجائے مسلم لیگ کے نعروں سے گمراہ ہونے کے آپ کو چاہیئے کہ فوج میں (British Indian Army) میں مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ بھرتی کے لئے کوشش کریں"۔ اور یہ کہ میں (نواب صاحب) اس سلسلے میں تم لوگوں کی ہر ممکن مدد کروں گا۔ لیکن جب ہم نے نواب صاحب کو بتایا کہ ہمارا ہر عمل مسلم لیگ اور قائداعظمؒ کی پالیسی سے مطابقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تو نواب صاحب نے ہمیں ڈانٹ کے لہجے میں یوں سمجھانے کی کوشش کی "یہ مت بھولئے کہ That Mr. Jinnah belongs to a minority province (مسٹر جناح اقلیت کے صوبے سے تعلق رکھتے ہیں) اور اُس کے دماغ پر ہندو کا ہوا چھایا ہوا ہے"۔ اور یوں ہماری میٹنگ بے نتیجہ ختم ہو گئی۔

آج نواب مشتاق احمد گرمانی خواب غرگوش سے پھر بیدار ہو رہے ہیں۔ بالفرض محال اب اگر آخری عمر میں نواب صاحب پر یہ کشف ہو ہی گیا ہے کہ پاکستان اور اس کے عوام کی نجات دہندہ جماعت اسلامی کے سوا اور کوئی جماعت نہیں ہو سکتی تو خدا کرے یہ کشف مبنی بر خلوص ہو اور اس نئے ناتے کا مقصد ریاست بہاولپور (جس کے آپ مقرر کردہ وزیر اعظم رہ چکے ہیں) کی کسی خاص سیاسی نوعیت سے متعلق ملک میں مزید انتشار گولی پسندانہ صورت میں ظاہر نہ ہو لیکن ؎

نہ تم بدلے نہ دل بدلا نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیونکر اعتبارِ انقلاب آسمان کر لوں

احمد سلطان بٹ۔ کراچی

بیچارے سادہ لوح بزرگ

روزنامہ جنگ ۹ جون میں مولانا احتشام الحق کا بیان شائع ہوا ہے آپ کی نظر سے بھی گزرا ہو گا۔

لکھتے ہیں "... میرے سات آٹھ بیٹے ہیں جو شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ میرے ایک بیٹے احترام الحق....."

مجھے تو یہ بیان پڑھ کر مولانا سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے ذرا سوچیئے تو کہ ایک ایسا سادہ لوح آدمی جو اپنی اولاد نرینہ کی صحیح تعداد بھی نہ جانتا ہو کہ سات ہیں یا آٹھ اور نہ اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ اگر بینک سے قرض لیا جائے تو سود بھی دینا پڑتا ہے۔ بھلا اس سے اِس قسم کی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ جو آپ نے ان کیطرف منسوب کی ہے ؟

عبدالحکیم کراچی

اخبار کہاں ہیں؟

آپ کا "لیل و نہار" کا شمارہ ۱۴ پڑھا بہت پسند آیا خاص طور سے "مسٹر احتشام" حق تھانوی کے متعلق صحافیوں کی ہڑتال کے بعد اخبار ایک نئے انداز سے ہمارے سامنے آیا۔ جس کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ میں اس اخبار کی عرصہ ۱۵ سال سے خریدار تھی۔ لیکن ہڑتال ختم ہونے کے تین روز بعد اخبار کے نئے انداز دیکھ کر ہم کو اخبار بند کرنا پڑا میں نے اس کے بعد کسی روزانہ اخبار کو بھی ہاتھ نہیں لگایا صرف ہفت روزہ پرچوں پر گزارہ کر رہی ہوں۔

سیدہ بانو ٹیلی فون کالونی
کراچی۔

دیارِ عرب اور ابوالاعلیٰ مودودی

"مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ عباسیوں کے دور سے لے کر عثمانیوں کے دور تک ہر زمانے کے بادشاہ اپنی سیاسی اغراض کی خاطر عرب کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا۔ آج اُسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اِسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اِسلامی زندگی ہے لوگ دور دور سے بڑی گہری عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ہر طرف اُن کو جہالت، طمع، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی ساخت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلعم نے آکر ختم کیا تھا۔ اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اُسی طرح مہنت بنکر بیٹھ

عصمت فروشی، جنسی امراض، نوجوانوں کی جنسی بے راہ روی۔ آزادانہ عشق و محبت اور شراب نوشی کے متعلق بے لاگ اور خیال افروز حقائق۔

گناہ اور سائنس

ڈائی کارسن کارٹر

قیمت -/۴

پیپلز پبلشنگ ہاؤس

پوسٹ بکس ۸۶۲، شاہراہ ۱، قائداعظم، لاہور

گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لئے جائداد اور حج ان کے لئے تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو وہ اپنا اسامی سمجھتے ہیں، مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں، ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے اسامیوں کو گھیر لائے قرآن کی آیت اور حدیث کے احکام لوگوں کو سنا سنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ نہ اس لئے کہ انہیں خدا کا عائد کیا ہوا فرض یاد دلایا جائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے، گویا اللہ اور اس کے رسولؐ نے یہ سارا کاروبار انہی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لئے پھیلایا ہے۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آدمی نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلم، مطوف، وکیل مطوف، کلید بردار کعبہ اور خود حکومتِ حجاز، سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں، حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذالک یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت، اس دین کے نام نہاد خدمت گزاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے، جس نے مہنت گری کے کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو، جہاں عبادت گاہوں کو ذریعہ آمدنی بنا لیا گیا ہو، جہاں احکام الٰہی کو اس غرض کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجا لانے کے لئے مجبور ہو جائیں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جائے، جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لئے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو، ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے۔

(خطبات صفحہ ۳۰۱ تا ۳۰۳)

(نوٹ) دیارِ عرب کی یہ تصویر کشی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ۳۸ء میں کھینچی تھی اس وقت انڈین کرنسی چلتی تھی اور آج کل ڈالر کی ریل پیل ہے۔

۱۹۴۰ء کے "اسلامی ماڈل" کے مطابق ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا مسلمان شہنشاہوں کے متعلق فتویٰ یہ تھا

"جو بادشاہتیں اور حکومتیں غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہوئی تھیں آپ ان کو "اصلاحی حکومتیں" کہتے ہیں محض اس لئے کہ ان کے تخت نشین مسلمان تھے جو تمدن قرطبہ، بغداد، دہلی اور قاہرہ کے عیش پرست درباروں میں پرورش پاتا تھا۔ آپ اسے اسلامی تمدن کہتے ہیں۔ حالانکہ اس کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں آپ سے جب اسلامی تہذیب کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو آپ جھٹ سے آگرہ کے تاج محل کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں گویا یہ ہے اس تہذیب کا سب سے نمایاں نمونہ، حالانکہ اسلامی تہذیب میرے سے یہ ہے ہی نہیں کہ ایک میت کو سپردِ خاک کرنے کے لئے ایکڑوں زمین مستقل طور پر گھیر لی جائے اور اس پر لاکھوں روپے کی عمارت تیار کی جائے آپ جب اسلامی تاریخ کے مفاخر بیان کرنے پر آتے ہیں۔ تو عباسیوں، سلجوقیوں اور مغلوں کے کارنامے بیان کرتے ہیں حالانکہ حقیقی اسلامی تاریخ کے نقطۂ نظر سے ان کارناموں کا بڑا حصہ آب زر سے نہیں بلکہ سیاہ روشنائی سے جرائم کی فہرست میں لکھے جانے کے قابل ہیں"

(تفہیمات اوّل صفحہ ۱۳۸ طبع ہفتم)

یہ تھا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا تقسیم سے قبل کا اسلام اب رہا جدید اسلام تو جیسا کہ آپ حضرات کو علم ہے کہ وہ اب ارتقائی منازل طے کرتا ہوا کعبہ کو پار کر کے امریکہ کے ساحل کے قریب جا لگا ہے۔

مخلص:- محمد اسلام
۱۰۰۴، لوٹس روڈ نیو ٹاؤن کراچی ۵

O

آؤ بڑھ گیا!

ٹرمینل بونس یکم جون ۱۹۷۰ء یا اس کے بعد پالیسی کی تکمیل یا موت پر ذیل کی شرح سے قابلِ ادائیگی ہے۔ دوسری شرائط بدستور ہیں

سال ہائے ادا شدہ پریمیم (کلیم کے وقت)	پرانی شرح بحساب فی ہزار رقم بیمہ شدہ	نئی شرح بحساب فی ہزار رقم بیمہ شدہ
۱۵ سال	~~۱۰۰ روپے~~	۱۴۵ روپے
۲۰ سال	~~۱۲۵ روپے~~	۲۳۵ روپے
۲۵ سال	~~۱۳۵ روپے~~	۳۵۰ روپے
۳۰ سال	~~۱۴۰ روپے~~	۴۹۰ روپے

ایسٹرن فیڈرل نے اپنی بااصول سرمایہ کاری کی بدولت یکم جون ۱۹۷۰ء سے
ٹرمینل بونس کی شرحوں میں مزید اضافہ کیا ہے۔
یہ ٹرمینل بونس عام سالانہ بونس کے علاوہ ہے۔

پاکستان کا ہر دوسرا بیمہ شدہ شخص ایسٹرن فیڈرل کا بیمہ دار ہے

efu ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی لمیٹڈ

EFU-676-U-A-1

THAVER

روپیہ سیٹھ کا، دورہ مُلّا کا (صفحہ ۱۲ سے آگے)

مجھے ہنسی آگئی اور میں نے سادہ لوح مُلّا جی کو سمجھایا۔ "سوشلزم کفر کا انگریزی نام نہیں بلکہ معاشی مساوات کا انگریزی نام سوشلزم ہے، جس طرح جمہوریت کو انگریزی میں ڈیموکریسی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح معاشی مساوات کو انگریزی میں سوشلزم کہا جاتا ہے۔ سوشلزم صرف امیروں اور جاگیرداروں کا دشمن ہے۔ غریبوں کا نہیں وہ اگر کچھ چھینے گا تو سیٹھوں اور جاگیرداروں سے اور انہیں تقسیم کرے گا غریبوں میں۔

بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے مُلّا جی بولے۔

"یار بحث کو چھوڑو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سیٹھ ڈنڈی مار اور نواب مفت خور جنگ دونوں میرے بڑے محسن ہیں۔

اب سیٹھ ڈنڈی مار اور نواب مفت خور جنگ پر بُرا وقت پڑا ہے تو میرا فرض ہے۔ کہ بدلہ اتاروں اور ان کی مدد کو جاؤں۔"

مُلّا جی کی یہ صاف گوئی بحث کو ختم کرنے کے لئے کافی تھی چنانچہ میں نے کہا۔

"تو گویا تم اسلام کی حفاظت نہیں بلکہ اسلام کے مقدس نام پر صرف سیٹھ ڈنڈی مار اور نواب مفت خور جنگ کو بچانا چاہتے ہو۔"

مُلّا جی نے اپنا پنج سیری سر ہلایا۔

"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ زمانہ ہے اعلیٰ تعلیم کا۔ جس کے پاس اعلیٰ تعلیم کی ڈگریاں ہوں وہی خوش حال، مالا مال زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ہم تو انگریزی کی اے۔ بی۔ سی۔ ڈی نہ جانیں۔ یوں کہیں نوکری روزگار کے لئے جائیں تو کوئی ہمیں چپڑاسی یا قلی کی آسامی کو نہ پوچھے۔ ہمیں تو اس ٹھاٹ باٹ کے ساتھ اگر کوئی پال سکتا ہے۔ تو صرف سیٹھ ڈنڈی مار یا نواب مفت خور جنگ اللہ ان دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔ اور ان کا سایہ ہمارے سر پر دائم قائم رکھے۔"

مجھے ایک دم غصہ آگیا۔ اور میں لاوے کی طرح پھٹ پڑا۔

"لیکن مُلّا ـــــ یہ بھی تو دیکھو کہ یہی وہ سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں جنہوں نے قومی دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی ملّتِ اسلامیہ کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو اتنا قلّاش بنا دیا کہ اب وہ گفر کے دروازے تک پہنچ گئے لاکھوں کروڑوں غریب بھائی بہنوں کو اِن گنتی کے چند نوابوں اور سرمایہ داروں سے بچانے اور ان کے ایمان کو محفوظ کرنے کے لئے گاؤں گاؤں شہر شہر دورے کرو۔"

مُلّا جی پر جیسے میری پُرخلوص باتوں کا کچھ اثر ہوا بولے۔

"اچھا۔ میں اپنے غریب اور مظلوم ہم وطن مسلمانوں کو کفر کے عذاب سے بچانے کے لئے دورے کرنے کو تیار ہوں۔ دو مجھے سفر خرچ۔ نکالو کرایہ۔"

میں نے جھینپ کر کہا۔

"میں کہاں سے دوں سفر خرچ اور کرایہ میرے پاس تو صرف گھر سے دفتر جانے تک کا کرایہ نہیں ہوتا۔"

مُلّا جی ناک بھوں چڑھا کر بولے۔

"پھر میں کہاں سے لاؤں سفر خرچ اور کرایہ تم کرایہ اور سفر خرچ بھی نہیں دو گے تو میں دورے کس طرح کروں؟"

پھر مُلّا جی نے دو ٹوک بات کی۔

"دیکھو میاں ـــــ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں سوشلزم کے بجائے سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کروں تو پھر میرے سفر خرچ اور کرائے کا بھی ایسا ہی بندوبست کرو جیسا کہ سرمایہ دار اور جاگیردار سوشلزم کے خلاف میرے جہاد اور میرے دوروں کا خرچ اُٹھاتے ہیں۔"

اتنے میں سیٹھ ڈنڈی مار کا پرائیوٹ سیکرٹری آیا اور بڑے ادب سے مُلّا حلوہ پلاؤ الدین کو سلام کرنے کے بعد بولا۔

"مُلّا جی ـــــ سیٹھ جی اور نواب صاحب نے آپ کو سلام دیا ہے اور کہا ہے کہ راولپنڈی اسلام آباد کے نوجوانوں میں سوشلزم کا بہت زور ہو رہا ہے۔ آپ فوراً راولپنڈی روانہ ہو جائیں۔ وہاں "انٹر کان" میں آپ کے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔ اور یہ رہا آپ کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ اور دس ہزار روپے سفر خرچ۔"

مُلّا جی نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ اور دس ہزار روپے کا ڈرافٹ لیتے ہوئے ایسی معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ

ـــــ دیکھا۔ ع

جس کو ہو جان و دل عزیز کرتا ہے خرچ اسطرح

ویسے سچ کہا جس نے بھی کہا کہ

مُلّا ـــــ یار کس کا
کھایا پیا کھِسکا!

مکتوب پشاور

: صفحہ ۳۴ سے آگے :

اور عوام کے لئے دردِ سر ثابت ہو سکتی ہے انتظامیہ کا فرض ہے کہ وہ اساتذہ کے جائز مطالبات تسلیم کر کے اس بحران کو جلد از جلد ختم کرے۔

پرائیویٹ اسکولوں کے اساتذہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے حکومت نے ان اسکولوں کی ترقی کے لئے گیارہ کروڑ روپے مخصوص کئے ہیں لیکن جب تک پرائیویٹ اسکولوں کے اساتذہ کی ملازمت اور مراعات کے متعلق حکومت واضح قانونی پابندیاں عائد نہ کرے ان کی حالت سدھرنے کا کوئی امکان نہیں۔ ادھر ۲۱ کروڑ روپے جو حکومت نے سرکاری اساتذہ کے لئے منظور کئے ہیں ایک اطلاع کے مطابق ان میں سے صرف ۲ کروڑ ۱۹ لاکھ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ نہ صرف یہ تمام رقم جائز طور پر خرچ کی جائے بلکہ حسب ضرورت اس میں اضافہ کیا جائے۔ تاکہ تمام اساتذہ کی شکایات دور ہوں اور وہ اطمینان خاطر سے اپنے فرائض ادا کرنے کے قابل ہوں۔

کلیم الحسن نقوی پرنٹر انیس ہاشمی پبلشر، انجمن پریس میں چھپا۔ دفتر لیل و نہار، ۲۰ سی بلاک نمبر ۲ پی۔ سی۔ ایچ۔ ایس کراچی سے شائع ہوا۔ ایڈیٹر مسلم ضیائی

THE LAILO-NAHAAR WEEKLY, KARACHI. R.L.NO. S. 2744

Technoexport

FOREIGN TRADE CORPORATION
PRAHA - CZECHOSLOVAKIA

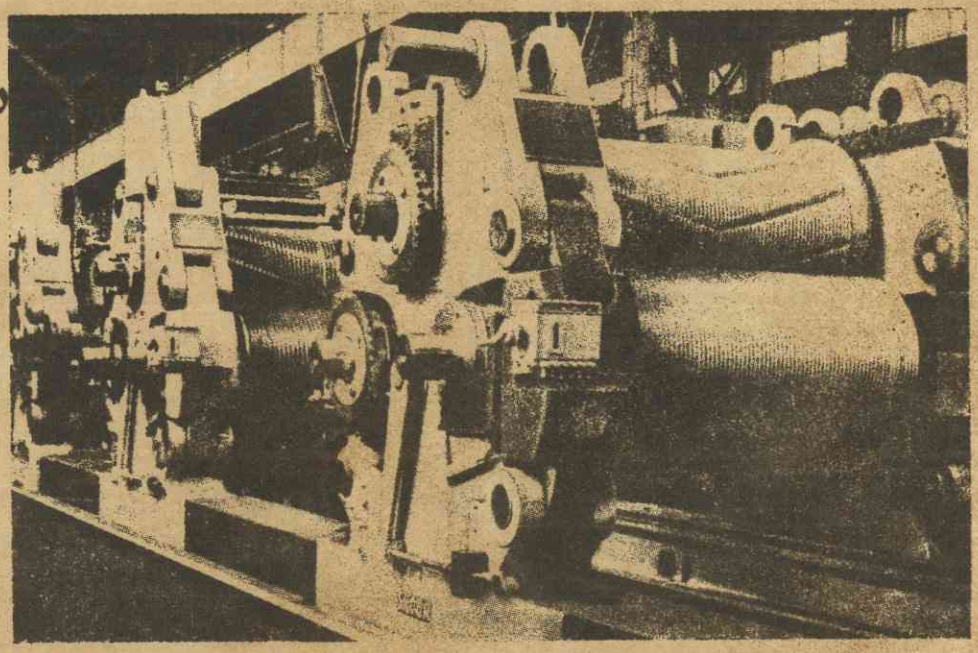

دنیا کے ۴۰ ممالک میں

آسٹریا	ارجنٹائن
سویڈن	مراکش
پولینڈ	ایران
سوویت یونین	ہندوستان (انڈیا)
برازیل	چین
ہنگری	فنلینڈ
رومانیہ	افغانستان
مصر	تھائی لینڈ
اسپین	کانگو
اٹلی	کینیڈا
انٹیلیس	برما
یوگوسلاویا	ایتھوپیا
بلغاریا	شام
چیکوسلواکیا	یوروگے
فرانس	سیلون
بلجیم	نیپال
انگلینڈ	کمبوڈیا
ترکی	گھانا
آئرلینڈ	انڈونیشیا
یونان	پاکستان

چیکوسلاویک انجینئرنگ انڈسٹری نے
۱۸۳۰ء سے اب تک
۵۰۰ سے زائد

شکر کے کارخانے مکمل طور پر مہیا کئے اور ان کا تعمیری کام
بھی چیکوسلاویک انجینئرنگ کمپنی نے سرانجام دیا۔

۱۰۰۰ سے زائد

شکر کے کارخانوں کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور
مکمل اسٹیشن مہیا کئے گئے

SKODA

CHEPOS

شکر جو چیکوسلواکیا سے بھیجی جاتی ہے
وہیں کے کارخانوں کی پیداوار ہے

TECHNOEXPORT
PRAGUE, VACLAVSKE NAM 56, CZECHOSLOVAKIA

Lailo Nahar Newsweekly Registered as a Newspaper with the Post Office in

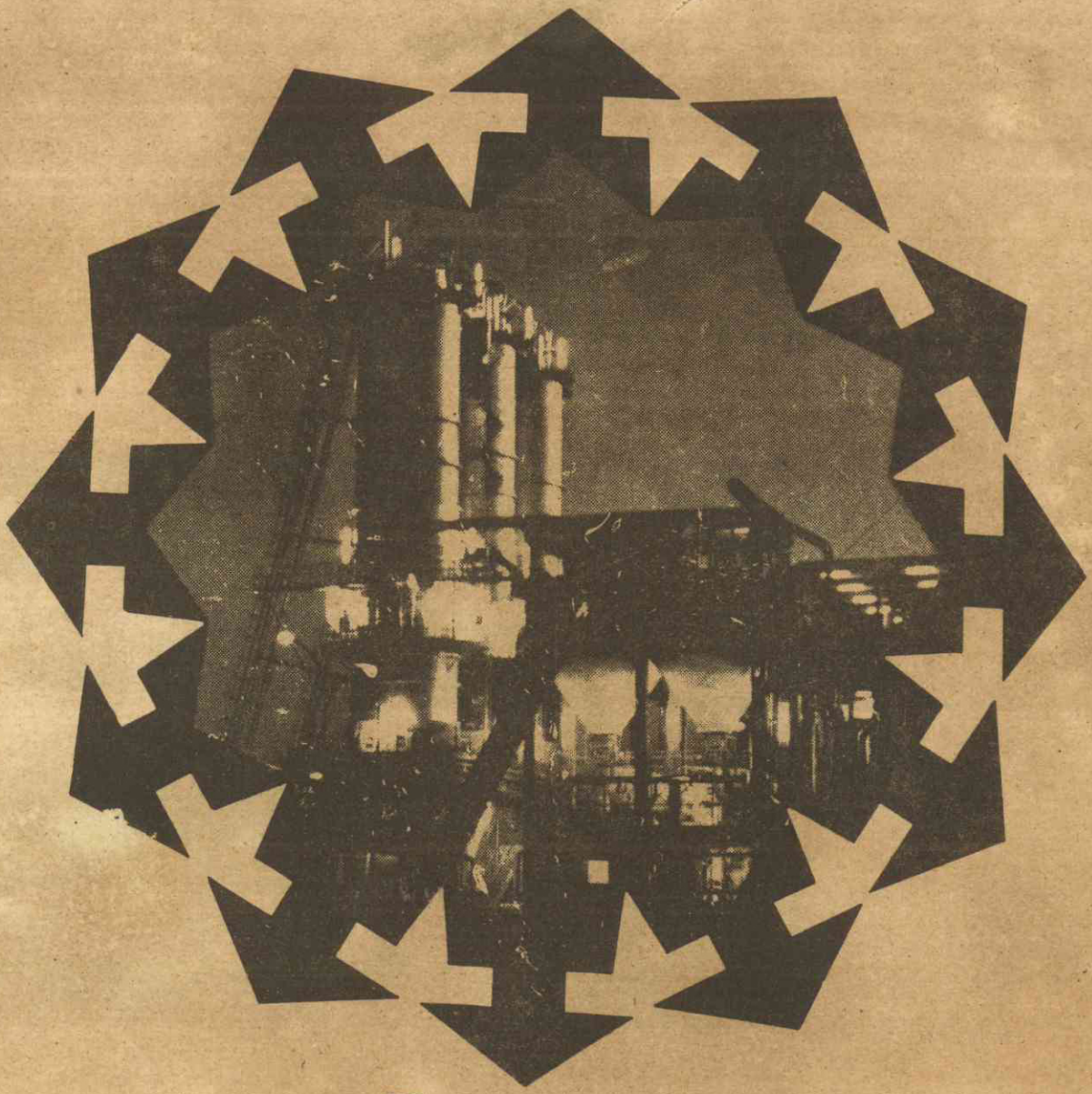

The 70's

will see an upsurge in chemicals

The chemical industry is expanding at a phenomenal rate the world over, drawing an ever increasing share of investment and endeavour. In Europe, Japan and USA, the growth has been staggering.

Pakistan too has not lagged behind in the production of chemicals. ICA has already blazed a trail in basic chemicals and made great strides in technical know-how and quality. That is why ICA Soda Ash and Sodium Bicarbonate are leading the way in the market.

And now Caustic Soda and Calcium Carbonate are being added to the list, making ICA a chemical complex.

INDUS CHEMICAL & ALKALIS LTD.
Ralli Square 3, off I. I. Chundrigar Road, Karachi-2.

ADGROUP